POSTED ON 20 March 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.)- 41/2009-11 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8.

قیمت=/Rs.5

Online Unani Herbal Consultation

044-28481344 E-mail:drameen@vsnl.net

for Sinusitis ★Joints Pain ★infertility ★nervous ★debility ★Obesity ★beauty & Hair Care

in public interest by **Dr. Syed M.M. Ameen**

B.U.M.S. (OSM)., M.D. (Herbal Med).,
Ph.D. (MED)., M.N.S.A. (IND)

S.K's Herbal Medical Hospital & Research Centre

36, J.J.K. Road, Royapettah, Chennai-600014 INDIA

"اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" (قرآن)

سہ روزہ دعوت نئی دہلی

اِنَّمَا الاَعمَالُ بِالنِّیات

"عمل کا دارومدار نیت پر ہے" (حدیث)

OMEGA SUPER HARDWARE

Complete range of Latest fittings for Doors & Windows, Bath Rooms and Furnitures, Glass Furnitures

AD 5/2, 2nd AVENUE, ANNA NAGAR, CHENNAI- 40.
Phones: 2620 2016,4269 0216

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۲۷ ● ۲۲/ مارچ ۲۰۰۹ء ● 22March 2009 ● یک شنبہ ● ۲۴/ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ ● قیمت=/Rs.5 ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۳/ ریال

Posting: 20 March 2009 Friday ●

مسلم رائے دہندگان کی آزمائش کا ایک اور موقع

اگلے مہینے سے لوک سبھا کے انتخابات ہونے والے ہیں جو پانچ مرحلوں میں ۱۶/ اپریل سے شروع ہوکر ۱۳/ مئی کو ختم ہوجائیں گے۔ حسب سابق مسلمان اس بار بھی موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔ سیاسی پارٹیاں ان کے ووٹوں کی سیاست کر رہی ہیں جبکہ میڈیا میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ کہاں کتنے مسلم ووٹر ہیں، وہ انتخابی نتائج پر کس حد تک اثر انداز ہوسکتے ہیں۔ پچھلے انتخابات سے مسلم ووٹوں سے کس کو فائدہ اور کس کو نقصان ہوا تھا اور اس بار کس کس کو مل سکتے ہیں۔ روزانہ اخبارات میں اس موضوع پر مضامین اور تبصرے شائع کئے جارہے ہیں۔ ان کے ووٹوں کا تجزیہ یہ کیا جارہا ہے اور یہ بتایا جارہا ہے کہ کن کن حلقوں میں مسلم رائے دہندگان کا کیا تناسب ہے جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان کی اکثریت کو نہ تو الیکشن میں کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی اس کی اہمیت کا احساس ہے۔ سیاسی شعور کے فقدان کے باعث وہ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قاصر ہیں۔ ان کی نمائندہ تنظیمیں اس پہلو سے سوچ رہی ہیں کہ اس بار کس سیاسی پارٹی کو آزمایا جائے یا ہر جگہ مسلم سیاسی پارٹیوں کو لڑانے کا تجربہ کیا جارہا ہے۔ بعض مسلم تنظیموں نے اپنے طور پر پہل کرتے ہوئے امیدواروں کے انتخاب کا اعلان بھی شروع کردیا ہے۔

ملک کو آزاد ہوئے تقریباً ۶۲ سال ہوگئے۔ اس دوران لوک سبھا کے چودہ اور ریاستی اسمبلیوں کے بے شمار انتخابات ہوچکے ہیں۔ اب پندرہویں لوک سبھا کا الیکشن ہونے والا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آندھرا پردیش، اڑیسہ، اور سکم اسمبلیوں کے انتخابات بھی ہونے والے ہیں۔ مسلم ووٹ پھر سے سب کی توجہ کا مرکز اور موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔ آزادی کے بعد سے اب تک مسلمانوں کے انتخابی فیصلوں کا جائزہ لیا جائے تو دو ہی باتیں سامنے آتی ہیں یا تو وہ انتخابات میں ووٹ بینک بنے ہوئے ہیں یا سیاسی پارٹیوں کو آزماتے آزماتے ۶۲ سال گزار دیئے اور اب تک یہ نتیجہ اخذ نہیں کرسکے کہ کون سی پارٹی صحیح معنوں میں ان کی بہی خواہ اور ہمدرد ہے اور ۸۰ کی دہائی میں جب ملک میں بی جے پی کے قدم مضبوط ہوئے تو مسلمانوں نے نام نہاد سیکولر حکومتوں کی تشکیل کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی اور اس کو اپنا وہ بہت بڑا فریضہ سمجھتے ہیں۔ کسی پارٹی کو ووٹ دینے کا مقصد صرف سیکولر حکومت کی تشکیل ہے۔ اس سے زیادہ حکومت اور پارٹی سے ان کا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے جس پارٹی کو سب سے زیادہ آزمایا اور اس کے ووٹ بینک بنے رہے۔ اس پارٹی کی حکومت میں انہیں سب سے زیادہ نقصان ہوا۔ ان کے مسائل بڑھے، وہ پسماندہ ہوئے۔ اس کی واضح مثال کانگریس جس کو ملکی سطح پر مسلمان گزشتہ ساٹھ برسوں سے ووٹ دیتے آرہے ہیں۔ اس پارٹی نے مسلمانوں کو کیا دیا اور کتنا نقصان پہنچایا وہ سب کے سامنے ہے۔ کانگریس سے ناراض ہوکر بعض ریاستوں میں مسلمانوں نے دیگر پارٹیوں کو اقتدار میں لاکر ان پر اعتماد کیا لیکن مسائل کم نہیں ہوئے جیسا کہ مسلم ووٹوں کی بدولت بہار میں راشٹریہ جنتا دل نے مسلسل پندرہ برسوں تک حکومت کی اور مغربی بنگال میں تو گزشتہ پچیس برسوں سے بائیں محاذ حکومت کرتا چلا آرہا ہے وہ بھی صرف مسلم ووٹوں کی بدولت لیکن صلہ یہ ملا کہ ان دونوں ریاستوں کے مسلمان پورے ملک میں سب سے زیادہ پسماندہ ہیں۔

یہ بات سبھی جانتے ہیں بلکہ حقیقت بھی ہے اور مسلمانوں، ان کی نمائندہ تنظیموں اور ملی قیادت سے پوچھا بھی جائے کہ ملک میں کوئی سیاسی پارٹی ایسی ہے جس نے مسلمانوں اور ان کے مسائل کو لائق اعتنا سمجھا تو اس کا جواب نفی میں ملے گا پھر بھی وہ انہیں ووٹ دیتے رہے ہیں۔ اس بابت ان کی یہی تاویل ہوگی کہ وہ یا تو سیاسی پارٹیوں کو آزماتے رہے یا فرقہ پرست قوتوں کو اقتدار سے باہر رکھنے اور سیکولر حکومت کی تشکیل کے لئے ایسا کرتے رہے اور غیر شعوری طور پر کسی نہ کسی پارٹی کے ووٹ بینک بنے رہے۔ ان کے اس طرز سے بعض سیاسی پارٹیوں نے تو خوب فائدہ اٹھایا، خود مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا، ہر پارٹی اور ہر حکومت نے انہیں مایوس کیا پھر بھی وہ ان ہی کو ووٹ دیتے رہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی دوسرا متبادل بھی نہیں رہا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ سیاری پارٹیوں سے شکوہ شکایت بھی کرتے رہے۔

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مسلمانوں کے سامنے یہی سوال ہے کہ وہ کس کو ووٹ دیں؟ کسی نئی پارٹی کو آزمائیں یا پرانی پارٹیوں کو ہی ووٹ دیں یا فرقہ پرست قوتوں کو ہرانے اور سیکولر حکومت کی تشکیل کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لیں؟ پہلے جیسی اب سیاسی صورت حال بھی نہیں ہے۔ مخلوط حکومت کے اس دور میں مسلمانوں کے لئے فیصلے کرنا اور بھی مشکل ہوگیا ہے کیونکہ اب کسی ایک پارٹی کے بارے میں نہیں بلکہ اتحاد کے بارے میں سوچنا ہوتا ہے جس میں بعض پارٹیاں ایسی ہوتی ہیں جنہیں مسلمان ووٹ دینا نہیں چاہتے ہیں لیکن اتحاد کو اقتدار کا اہل سمجھتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ گزشتہ باسٹھ برسوں سے مسلمان الگ الگ سیاسی پارٹیوں کو آزماتے رہے یا ان کے ووٹ بینک بنے رہے۔ اب وہ سیاسی و انتخابی اتحاد کو آزما رہے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ الیکشن کے خاتمے کے بعد چار سال تک مسلمان خواب غفلت میں رہتے ہیں جب آخری سال سیاسی پارٹیاں الیکشن کے لئے تیاری شروع کرتی ہیں تو مسلمان بھی نیند سے بیدار ہوتے ہیں۔ کچھ تو سیاسی پارٹی اور محاذ بنانے کے بارے میں سوچتے ہیں تو کچھ یہ دیکھتے ہیں کہ کون سی پارٹی ان سے کیا کیا وعدے کررہی ہے۔ اسی سوچ وفکر میں آخری سال بھی گزر جاتا ہے اور مسلمان یہ طے نہیں کرپاتے ہیں کہ وہ کیا کریں؟ نہ تو سیاسی پارٹی اور سیاسی محاذ قائم کرپاتے ہیں۔ اگر انفرادی طور پر کچھ لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں اور سیاسی پارٹی ومحاذ بنانے کا اعلان کرتے ہیں تو وہ بھی الیکشن کے وقت۔ ان کے پاس اتنا وقت نہیں رہتا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرکے انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرسکیں۔ اس کی وجہ سے ایسے جو بھی تجربے کئے جاتے ہیں وہ بہت ناکام ثابت ہوتے ہیں جس سے عام مسلمانوں میں غلط پیغام جاتا ہے اور سیاسی پارٹیاں بھی سمجھتی ہیں کہ ملک کے مسلمان انتشار کے شکار ہیں۔ جب وہ اپنے لئے کچھ نہیں کرسکتے تو انہیں اہمیت دینے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ملک کے مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ گزشتہ ساٹھ برسوں میں نہ تو وہ متحد ہوکر ملک گیر سیاسی پارٹی قائم کرسکے، یہ مسئلہ ان کے لئے ایک پیچیدہ اور متنازعہ بنا ہوا ہے کہ جتنی کوششیں کی جاتی ہیں اتنا ہی یہ الجھتا رہتا ہے۔ سیاسی پارٹی کی تشکیل تو دور وہ آج تک کوئی ایسا پریشر گروپ بھی تیار نہیں کرسکے جس کے ذریعے سیاسی پارٹیوں اور حکومت پر دباؤ ڈال کر اپنے لئے کچھ کراسکیں اور اپنے مسائل حل کراسکیں۔ مسلمانوں کو اس بارے میں سنجیدگی سے سوچنا ہوگا۔ آخر کب تک وہ سیاسی پارٹیوں کو آزماتے رہیں گے۔ کسی مخصوص سیاسی پارٹی کا ووٹ بینک بنے رہیں گے یا محض سیکولر حکومت کی تشکیل کے نام پر ووٹ دیتے رہیں گے۔ اس سے آگے بڑھ کر انہیں کچھ کرنا ہوگا۔

(ص ن)

سرکاری سرپرستی میں اقلیت مخالف دہشت گردی

مئی ۲۰۰۸ء میں کرناٹک میں پہلی بار بی جے پی کی سرکار قائم ہوئی۔ گزشتہ نو ماہ کی مدت میں ریاست میں بالخصوص اس کے سرحدی علاقوں، دکشن کنڑ اور اڈپی اضلاع میں ہندتوا وادیوں کی دہشت گردی میں زبردست اضافہ ہوگیا ہے۔ اگرچہ اس علاقے میں گزشتہ ایک دہائی کے دوران وقتاً فوقتاً ہندتوا وادی طاقتیں، اقلیتوں کے خلاف دہشت گردی کے مظاہرے کرتی رہی ہیں۔ لیکن گزشتہ سال جنوبی بھارت میں پہلی بار بی جے پی کی سرکار بن جانے کے بعد سے نہ صرف کرناٹک میں آگ وخون کا طوفان آگیا ہے بلکہ پورے جنوبی بھارت کو اس طوفان نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے جہاں سنگھ پریوار کے گروپ پوری قوت اور زوروشور کے ساتھ اپنی تہذیب، ذہنیت اور مشن کی اصل شکل دنیا کو دکھانے کے لئے سرگرم ہوگئے ہیں۔ بجرنگ دل، ہندو جاگرن ویدکے اور سری رام سینا وغیرہ مختلف انداز سے اور مختلف جہتوں سے جارحیت کا بازار سرگرم کررہی ہیں۔ شمالی بھارت کے بعد اب انھوں نے جنوبی بھارت کو اپنی دہشت گردی کا شکار بنانے کو اپنا نیا مشن بنالیا ہے۔ اگست اور ستمبر ۲۰۰۸ء میں اقلیتوں کے مذہبی اداروں پر حملوں کا سلسلہ بلندیوں کو چھو رہا تھا۔ آخر سیکولر پارٹیوں، اقلیتی گروپوں اور میڈیا کی چیخ وپکار کے نتیجے میں بمشکل کہیں جاکر ریاستی حکومت نے گزشتہ مہینے ان واقعات کی تحقیقات کرانے کے لئے جسٹس بی کے سوماشیکھرا کی سربراہی میں ایک انکوائری کمیشن قائم کیا۔ اگرچہ فرقہ وارانہ دہشت گردی کی پوری تاریخ بالخصوص گجرات کے مسلم کش طوفان کی روشنی میں ہر شخص سمجھتا ہے کہ انکوائری کمیشن کا کیا مقصد ہوتا ہے اور اس سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ لیکن کرناٹک کے وزیر اعلیٰ یدیورپا نے گجرات کے وزیر اعلیٰ نریندر مودی کو بھی اس لحاظ سے پیچھے چھوڑ دیا کہ انکوائری تک کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ مستقل چیخ وپکار کے بعد بھی سات ماہ کے بعد انکوائری کمیشن کے قیام کا اعلان کیا۔

ہندتوا وادی تنظیموں کے مورال پولیس کے حملوں کی مضحکہ خیز شکل میں بھی بڑے پیمانے پر ظاہر ہورہے ہیں۔ ان میں سے چند کی رپورٹیں مین اسٹریم میڈیا میں بھی نشر ہوئیں لیکن "سول سوسائٹی" نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ کیونکہ لاء اینڈ آرڈر مشینری خود ان گروپوں کے ساتھ تال میل کا مظاہرہ کررہی ہے۔ ریاستی وزراء اپنے عوامی بیانات تک میں ان کی سنگینی کو معمولی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجرمانہ حرکات کرنے والے علانیہ میڈیا والوں تک سے کہتے نظر آرہے ہیں کہ ان کی یہ سرگرمیاں بی جے پی کے منصوبوں کا سوچا سمجھا حصہ ہیں۔ شراب خانوں پر حملوں کے سلسلے میں پولیس نے رام سینا کے سربراہ پرمود متالک سمیت لوگوں کو واقعہ کے دو دن بعد گرفتار کیا اور پھر ضمانت پر رہا کردیا گیا۔ ہندتوا وادی یوتھ گروپ پولیس کے اسسٹنٹ کے طور پر کام کرتے ہیں۔ اپنے شکار لوگوں کو پکڑ کر مارتے پیٹتے تھانہ لے جاتے ہیں اور پولیس سے کیس درج کراتے ہیں۔ ظاہر ہے ہندتوا وادیوں اور پولیس کی اس ملی بھگت کے سامنے عوام بے بس ہیں۔

ریاست کرناٹک پورے بھارت میں حالات انسانی کی بہتری کے معاملے میں کیرالہ کے بعد اب تک دوسرے نمبر پر قرار دی جاتی رہی ہے۔ جبکہ ریاست بھر میں دکشن کنڑ اور اڈپی اضلاع اس لحاظ سے دوسرے اور تیسرے نمبر پر شمار کئے جاتے تھے جہاں ملک بھر کے ہائر پروفیشنل ایجوکیشن کے کچھ سب سے زیادہ کامیاب پرائیویٹ ادارے کام کررہے ہیں اور منگلور پورے کرناٹک میں دوسرا بڑا اور تیزی سے ترقی کرتا صنعتی اور کمرشیل سنٹر ہے۔ یہ ریاست کے بنکنگ سیکٹر کا بھی مرکز ہے۔ دکشن کنڑ میں عیسائی کامیاب اور باہم اچھی طرح مربوط نیز اعلیٰ تعلیم میں اچھا مقام رکھنے والی کمیونٹی ہے جو آبادی میں آٹھ فیصد ہے۔ جبکہ مسلمان ۲۲ فیصد اور ہندو ۶۸ فیصد سے زیادہ ہیں۔

دکشن کنڑ اور اڈپی اضلاع اعلیٰ تعلیم کے مراکز ہیں جہاں ملک بھر سے لاکھوں نوجوان تعلیم حاصل کرنے پہنچتے ہیں۔ ہندتو وادی گروپوں کے شرپسند عناصر اس علاقے میں بہت ترقی یافتہ بس ٹرانسپورٹ نیٹ ورک میں پھیلے رہتے ہیں جو روزانہ لاکھوں نوجوانوں کو ان کے گھروں اور ہوسٹلوں سے اسکولوں اور کالجوں تک لاتے لے جاتے ہیں۔ یہ نیٹ ورک پڑوسی ریاست کیرلہ تک سے طلباء کو لاتے لے جاتے ہیں۔ بسوں میں مساوات اور باہمی ربط و ضبط کا ماحول پایا جاتا ہے جہاں رنگ، نسل،

باقی صفحہ ۸ پر

بلا تبصرہ

عراقی صحافی منتظر الزیدی کو جس نے بغداد میں منعقدہ ایک پریس کانفرنس کے دوران سابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش پر جوتا پھینکا تھا، تین سال قید کی سزا مقرر کرنا افسوسناک ہے۔ زیدی نے تو صرف جوتوں کا ایک جوڑا پھینکا تھا جس سے بش کو کسی قسم کی چوٹ بھی نہیں پہنچی۔ جبکہ اس نے معصوم لوگوں پر راکٹ، بم اور میزائل نہیں برسائے تھے اور نہ ہی کسی ملک کے مادی اور معاشرتی ڈھانچے کو تباہ کیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ مسٹر بش اور ان کے ہمنواؤں کو کیا سزا دی جائے جنھوں نے جھوٹ کی بنیاد پر وحشیانہ جنگ چھیڑ رکھی ہے اور دس لاکھ عراقیوں کو ہلاک کرچکے ہیں۔

جے پربھاکر، حیدرآباد
ہندو، ۱۷/ مارچ ۲۰۰۹ء

خبر ونظر

چھچھوری سیاست کا تازہ نمونہ

ہندوستانی سیاست اور صحافت کے چھچھورے پن کا ایک نمونہ ابھی ابھی سامنے آیا جب ورون گاندھی نام کے کسی لڑکے نے یوپی کے ایک شہر پیلی بھیت میں دو مقامات پر انتخابی بیان بازی کرتے ہوئے مسلمانوں کو کھلے عام گالیاں دیں، جتنی غلاظت اس کی زبان سے نکل سکتی تھی نکالی، دھمکیاں دیں کہ الیکشن کے بعد وہ سب کو کاٹ ڈالے گا۔ ابتدا میں تو اس کی بدزبانی کی رپورٹنگ کوئی خاص نہیں تھی، لیکن کئی دن بعد وہ میڈیا کا اہم ترین موضوع بن گیا۔ مارچ کے تیسرے ہفتے میں میڈیا پر چھایا رہا۔ ۱۷/ مارچ کو الیکشن کمیشن نے اس کی بدزبانی کا نوٹس لیتے ہوئے انتظامیہ کو اس کے خلاف کارروائی کرنے کو کہا تو ۱۸/ مارچ کے ہندی اور انگریزی اخباروں کی وہ سب سے بڑی، اہم اور پہلی خبر تھی۔ گو کہ میڈیا کی رپورٹنگ میں اس کی باتوں کی ستائش یا حمایت نہیں کی تھی، بلکہ تنقید کی گئی۔ ادارتی کالموں میں بھی اس پر شدید اعتراض ہوا۔ لیکن ایک نوجوان کی بکواس کو اتنے بڑے پیمانے پر شائع کرنا اسے لیڈر بنانے کے لئے کافی تھا۔ کسی فرقے یا برادری کو، ذات کو یا علاقے کو ہدف بناکر اس کے خلاف زہر اگلنا، لیڈر بننے اور شہرت حاصل کرنے کا آسان نسخہ ہے۔ جن لوگوں کے پاس عوام کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہوتا، لیڈر بننے کے لئے وہ آج کل یہی نسخہ استعمال کرتے ہیں۔

ایک پارٹی کی تکنیک

معلوم ہوا ہے کہ یہ لڑکا مینکا اور سنجے گاندھی کا بیٹا ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی نے اسے پیلی بھیت سے لوک سبھا کے لئے کھڑا کیا ہے۔ مخالف پارٹیاں اس کی بدزبانی کی مذمت کررہی ہیں۔ خود بی جے پی بھی پریشان ہے۔ لیکن اپنی تکنیک کے مطابق وہ ابھی واضح طور پر کچھ نہیں کہہ رہی ہے، دیکھ رہی ہے کہ آیا اس سے سیاسی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اس پارٹی کا یہ بہت پرانا اور آزمودہ طریقہ ہے۔ پہلے اپنے لوگوں سے غلط کام کرواتی ہے، یا وہ اپنے طور پر کرلیں تو خاموش رہتی ہے۔ اگر اس سے سیاسی فائدہ ہورہا ہو تو آگے بڑھ کر ان کی پشت پناہی پر آجاتی ہے۔ نقصان پہنچ رہا ہو تو اپنے آپ کو علیحدہ کرلیتی ہے۔ بابری مسجد کے انہدام کے بعد بھی اس نے یہی کیا تھا۔ گجرات میں درندگی پر بھی اس کا رویہ یہی تھا۔ ویسے ورون نام کے اس نئے سیاسی کھلاڑی نے یہ زبان اپنے لیڈروں ہی سے سیکھی ہے۔ ابھی چند روز قبل کرناٹک کے ایک جلسۂ عام میں بولتے ہوئے ایل کے آڈوانی نے کہا تھا: "افضل گرو کو پھانسی دینے میں حکومت اس لئے تاخیر کررہی ہے کہ اس کا نام افضل گرو ہے، لیکن اگر اس کا نام (کوئی ہندوانہ نام لیا تھا) ہوتا تو کبھی کی پھانسی دے دی جاتی"۔ گویا اس پارٹی کے بڑے بڑے لیڈر بھی اب اس گھٹیا پن پر اتر آئے ہیں۔

ذمہ دار میڈیا ہے

جہاں تک نفرت انگیزی کے اس کارگر نسخے کی بات ہے، تو وہ دو دھاری تلوار ہے، پلٹ بھی سکتی ہے، اپنے خلاف بھی استعمال ہوسکتی ہے، کوئی بھی کسی کے بھی خلاف استعمال کرسکتا ہے۔ کانشی رام اور مایاوتی نے تلک ترازو اور تلوار کے خلاف یہی نسخہ استعمال کرکے اپنی سیاسی پوزیشن مضبوط بنائی ہے یہاں تک کہ اب ان کے دلت/ برہمن گٹھ جوڑ میں برہمن نے عملاً چھوٹا بھائی بننا قبول کرلیا ہے۔ بہار سے نام نہاد اعلیٰ ذاتوں کے سیاسی تسلط کا خاتمہ بھی اسی نسخے کی بدولت ہوسکا۔ غرض کسی کے خلاف نفرت پھیلانا، گالیاں دینا ہندوستانی سیاست میں بہت آسان ہوگیا ہے۔ لیکن اس کے لئے میڈیا ۹۵ فیصد ذمہ دار ہے، جسے چاہتا ہے دیکھتے ہی دیکھتے دنیا میں مشہور کردیتا ہے۔ ممبئی کے راج ٹھاکرے کی جانب سے جب تک مہاراشٹر کی ترقی کی بات کی جارہی تھی، میڈیا متوجہ نہیں ہوا تھا؛ جیسے ہی راج نے ممبئی کے بہاریوں اور اتر پردیشیوں کے خلاف زہر اگلنا شروع کیا، میڈیا نے (کچھ دنوں کے لئے ہی سہی) راج کو مہاراشٹر کا ہیرو بنادیا۔ لہٰذا اس سلسلے میں سب سے پہلے اگر کسی کو قابو میں رکھنے کی ضرورت ہے تو میڈیا کو۔ بدزبانوں کے خلاف قانونی کارروائی بھی اسی صورت میں مؤثر ثابت ہوسکے گی (پ ر)

ممبئی حملوں کے کئی پہلو اب بھی معمہ بنے ہوئے ہیں

ممبئی حملوں کو تین ماہ ہوچکے ہیں۔ اس دوران جس طرح مہاراشٹرا اے ٹی ایس کے سربراہ ہیمنت کرکرے کی موت ایک معمہ بنی رہی، اسی طرح جن ۹ افراد کو حملہ آور بتاکر مارا گیا ہے۔ ان کی لاشیں بھی پہیلی بنی ہوئی ہیں۔ ان کی شناخت نہیں ہو پارہی ہے۔ ان کا دعویدار سامنے نہیں آرہا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی تدفین نہیں ہو پارہی ہے۔ وہ جے جے اسپتال ممبئی میں لاوارث کی طرح پڑی ہوئی ہیں۔ ان لاشوں کے بارے میں بہت کم خبریں آتی ہیں۔ ابتداء میں یہ خبر آئی تھی کہ شہر کی مسلم تنظیموں نے ان لاشوں کے لئے کسی بھی قبرستان میں جگہ دینے سے انکار کردیا تھا۔ اب ممبئی کے پولیس کمشنر حسن غفور کے حوالے سے یہ خبر آئی ہے کہ ممبئی حملوں سے متعلق مقدمے کی سماعت جیسے شروع ہوگی، ممبئی پولیس خصوصی عدالت سے مذکورہ لاشوں کی تدفین کی اجازت مانگے گی۔ انھوں نے یہ تو نہیں بتایا کہ وہ لاشیں کہاں دفن کی جائیں گی۔ البتہ یہ کہا کہ پولیس اب تک اس بات کا انتظار کررہی تھی کہ کوئی ان پر دعویٰ کرسکتا ہے لیکن اب تک کسی نے بھی ایسا نہیں کیا۔

وہ لاشیں کن لوگوں کی ہیں، ان کا تعلق کس ملک سے ہے۔ ان کے نام کیا ہیں؟ ان سارے سوالات کے جوابات میں ابھی تک صرف یہی کہا گیا ہے کہ ان کا تعلق پاکستان سے ہے اور وہ لشکر طیبہ کے لئے کام کرتے تھے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا گیا۔ یہ سب باتیں اس وقت کہی جاتی ہیں جب یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان کا ایک ساتھی اجمل عامر قصاب زندہ پکڑا گیا اور اس نے اقبال جرم بھی کرلیا، لیکن اس سے اس کے ساتھیوں کا نام پوچھ کر منظر عام پر نہیں لایا گیا۔ اجمل عامر قصاب کے بارے میں یہ تو تحقیق کرلی گئی کہ اس کا گھر پاکستان میں کہاں ہے لیکن اس کے ساتھیوں کی نیشنلٹی کی کوئی چھان بین نہیں کی گئی اور ان کی شناخت کو ایک پہیلی بناکر چھوڑ دیا گیا۔ ایسے حالات میں ممبئی کے مسلمانوں کا یہ موقف بالکل درست ہے کہ حملہ آوروں کی لاشوں کی تدفین ہندوستان میں کیوں ہو بلکہ ان کی نیشنلٹی کا پتہ لگاکر انہیں ان کے ملک کے حوالے کردیا جائے۔

ممبئی حملوں کے دو پہلو روز اول سے ایسے بنے ہوئے ہیں جن سے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو مسٹر کرکرے کی موت، دوسرے حملہ آوروں کی لاشوں کی شناخت۔ آج تک یہ پتہ لگانے کی کوشش

باقی صفحہ ۶ پر

حماس کا بائیکاٹ ختم کیا جائے

دمشق۔ برطانوی پارلیمنٹ کے چار ممبران نے یہاں حماس کے لیڈر خالد مشعل سے ملاقات کے بعد اپنی حکومت سے درخواست کی ہے کہ وہ امن کے حصول کے لئے حماس کا بائیکاٹ ختم کرے۔ لیبر پارٹی کے ممبر پارلیمنٹ کلیئر شارٹ نے یہاں نامہ نگاروں سے کہا کہ ہمیں امن کی طرف قدم بڑھانے کے لئے حماس سے بات کرنی چاہئے کیونکہ وہ فلسطینیوں کے بڑے طبقے کی نمائندگی کرتی ہے۔ پچھلے چند ماہ کے دوران کئی یورپی سیاستداں حماس پارٹی کے لیڈران سے مل چکے ہیں۔ اٹلی اور یونان کے ممبران پارلیمنٹ بھی اگلے ہفتے مشعل سے ملنے کے لئے دمشق جائیں گے۔ اس سے قبل فرانس نے بھی یہ اشارہ دیا تھا کہ حماس کے ذریعے اسرائیل کو تسلیم کئے بغیر بھی اس سے بات چیت کی جاسکتی ہے۔ واضح رہے کہ برطانیہ، امریکہ اور کئی یورپی ممالک یہ کہتے ہیں کہ وہ اس وقت تک حماس سے بات نہیں کریں گے جب تک وہ اسرائیل کو تسلیم نہ کرلے۔ مسلح جدوجہد ترک نہ کردے اور عبوری امن معاہدہ قبول نہ کرلے۔

پروہت کے خلاف کورٹ مارشل

ممبئی۔ مالیگاؤں بم دھماکہ معاملہ کے ماسٹر مائنڈ لیفٹیننٹ کرنل شری کانت پرساد پروہت کے خلاف فوج نے فوجی عدالت میں کیس درج کرادیا ہے۔ اس کے تحت فوج پروہت کے خلاف کورٹ مارشل کی اجازت طلب کرے گی۔ ان پر دھماکہ کے لئے بم بنانے میں مدد کرنے اور اسلحہ فراہم کرنے کا الزام ہے۔ وہ مہاراشٹر کے مکوکا کے تحت گرفتار ہیں۔ ادھر منگلور کے ڈی ایم نے شری رام سینا کے سربراہ پرمود متالک کے منگلور میں داخل ہونے پر ایک سال کے لئے پابندی لگادی ہے۔

پاکستان میں جمہوریت کی واپسی

اسلام آباد۔ پاکستان میں سابق وزیر اعظم نواز شریف اور وکلاء کی تحریک اور امریکہ کے دباؤ کے بعد حکومت نے افتخار چودھری کو دوبارہ ۲۱/ مارچ کو سپریم جسٹس بنانے کا اعلان کردیا۔ تمام معزول ججوں کی بحالی کے ساتھ حکومت نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ وہ شریف برادران کی نااہلی کے خلاف فیصلے کو چیلنج کرے گی۔ حکومت کے گھٹنے ٹیکنے سے سیاسی بحران ٹل گیا، کیونکہ سرکار مخالف وکلاء کی احتجاجی تحریک اور لانگ مارچ کے خاتمے کا اعلان بھی کردیا گیا۔ ہندوستان کے وزیر خارجہ پرنب مکھرجی نے پاکستان میں سیاسی بحران کے خاتمے پر اطمینان کا اظہار کیا ہے۔

متحارب فلسطینی گروپوں میں اتفاق

قاہرہ۔ مصر کی ثالثی میں متحارب فلسطینی گروپ ۲۵/ جنوری ۲۰۱۰ء تک صدارتی و اسمبلی انتخابات کرانے پر راضی ہوگئے ہیں تاہم مشترکہ حکومت بنانے کے اہم مسئلے پر تعطل برقرار ہے جبکہ انتخابات کی تیاری کے لئے تعطل کا خاتمہ ضروری ہے۔ واضح رہے کہ حماس کی حکمرانی والی غزہ پٹی اور غرب اردن جہاں الفتح کی حکومت ہے، گزشتہ ۲۱ ماہ سے کشیدگی ہے۔ دونوں کے درمیان بنیادی اختلاف اس پر ہے کہ اسرائیل سے کیسے نمٹا جائے۔ الفتح حکومت اسرائیل کو تسلیم کرتی ہے اور اس کے خلاف جدوجہد کو اس نے سیاسی ایجنڈے سے نکال دیا ہے جبکہ حماس اسے تسلیم نہ کرنے پر مصر ہے۔

عراقی صدر الیکشن نہیں لڑیں گے

سلیمانیہ۔ عراقی صدر جلال طالبانی نے کہا ہے کہ وہ اگلی بار صدارتی عہدے کے لئے کاغذات نامزدگی داخل نہیں کریں گے۔ اس برس ان کے عہدے کی مدت پوری ہونے کے بعد وہ اپنی یادیں محفوظ کریں گے۔ ادھر عراقی وزیر اعظم نوری المالکی نے کہا ہے کہ امریکی فوجیوں کو ملک کے ان علاقوں سے نہیں ہٹایا جائیگا جو پوری طرح سے محفوظ نہیں ہیں۔

عالمی کساد بازاری: اسباب اور حل

اکبر زاہد، وانمباڑی

دنیا کی معیشت آج تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے، اپنے آپ کو دنیا کا سپر پاور کہنے والا امریکہ دیوالیہ ہوچکا ہے۔ اس کے کئی بڑے بینک بند ہوچکے ہیں۔ جارج ڈبلیو بش نے اپنے دور اقتدار میں ساری دنیا میں جو تباہی مچائی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ نئے امریکی صدر بارک حسین اُبامہ نے حالانکہ ”تبدیلی“ کا وعدہ کیا ہے لیکن جارج بش نے جو امریکہ انہیں وراثت میں دیا ہے وہ ایک تباہ حال ملک ہے جو بے شمار مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ بہر حال بارک حسین اُبامہ کس طرح ان مسائل سے نمٹتے ہیں یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

امریکی اقتصادیات کی تباہی کے اسباب:

☆بینکوں کا ملٹی نیشنل کمپنیوں کو کروڑوں روپیوں کا قرض فراہم کرنا اور ان کمپنیوں کی جانب سے قرضوں کی عدم ادائیگی۔ ☆ملٹی نیشنل کمپنیوں کی غلط تجارتی پالیسیاں۔ ☆ لیاقت، تجربہ اور کار اوقات سے زیادہ بھاری تنخواہیں اپنے ملازمین کو دینا۔ ☆بینکوں کا کریڈیٹ کارڈ نظام۔ ☆غیر ضروری اشیاء کا ضروریات زندگی میں شامل کرنا۔ ☆شراب، جوئے خانے اور منشیات کا استعمال۔ ☆ غیر ضروری جنگیں۔ ☆نیوکلیئر اسلحہ جات اور جنگی ساز وسامان کی تیاری میں حکومتوں کی حد سے زیادہ سرمایہ کاری۔ ☆ترقی یافتہ ممالک کے درمیان خلائی دوڑ اور ستاروں پر کمندیں پھینکنے کے مشن پر اربوں روپیوں کا غیر ضروری خرچ۔

مذکورہ اسباب کے علاوہ اور بھی کئی اسباب ہیں جو دنیا کی تباہی کا باعث ہیں لیکن سب سے اہم اسباب یہی ہیں اور جو احباب تجارتی اداروں سے منسلک ہیں، اور ماہرین معاشیات اچھی طرح جانتے ہیں کہ کس طرح مذکورہ اسباب عالمی معیشت کی تباہی کا باعث بنے ہیں۔ لیکن اکثر سربراہان مملکت اور ان کے معاشی مشیر یا تو ان باتوں کو نہیں سمجھتے یا پھر وہ اپنے ذاتی مفادات کی خاطر اپنے ملک ہی کو نہیں بلکہ پوری دنیا کو تباہی کے جہنم میں دھکیل دینے کو بھی تیار ہوجاتے ہیں۔ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کس طرح مذکورہ اسباب سے دنیا میں تباہی مچی ہے۔

ملٹی نیشنل کمپنیوں کو بینکوں کا قرضہ

یہ بات کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ ساری دنیا کا معاشی نظام بینکوں پر انحصار کرتا ہے۔ جو بھی لین دین ہوتا ہے وہ اکثر وبیشتر بینکوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ تجارتی اداروں کو بینک کروڑوں (ڈالروں) روپیوں کا سودی قرضہ عطا کرتا ہے۔ اوور ڈرافٹ کی سہولتیں فراہم کرتا ہے۔ یہ تجارتی ادارے جو سود پر قرض حاصل کرتے ہیں اتنا منافع اپنی تجارت سے حاصل نہیں کرپاتے کہ وہ کم از کم بینک کا سود ہی ادا کرسکیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصل اور سود ملا کر مزید سود ان پر چڑھ جاتا ہے اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ کمپنی اپنے ملازمین کی تنخواہیں تک ادا کرنے کے قابل نہیں رہتی اور وہ دیوالیہ ہوجاتی ہے۔ مجبوراً بینک کو کمپنی کی املاک ضبط کرنی پڑتی ہیں لیکن کمپنی کی پوری املاک کی مالیت بھی اتنی نہیں ہوتی کہ بینک کو اپنا دیا ہوا قرضہ مکمل طور پر مل سکے۔ اس طرح اگر یہ بینک بیک وقت کئی کمپنیوں کو قرض دیتا ہے اور وہ سب اسی طرح قرض ادا کرنے سے قاصر ہوجاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ بینک کی کیا حالت ہوگی۔

بالکل یہی صورت حال آج امریکہ میں بہت سارے بینکوں کو پیش آئی جس کے نتیجے میں بہت سارے بینک بند ہوگئے۔ آج امریکہ جسے عالمی قیادت کا دعویٰ ہے بری طرح تباہ وبرباد ہوچکا ہے۔ اس کے کئی شہروں میں بڑے بڑے مکانات اور بنگلے بالکل خالی پڑے ہیں اور اپنے مکینوں سے خالی ہیں۔ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مکانات بینک کے قرضہ پر حاصل کئے گئے تھے اور جب یہ لوگ اپنا قرض ادا نہیں کرسکے تو انہوں نے اپنے مکانات بینک کو واپس کردئے کہ وہ قرض ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ بہت سے تو بغیر بینک کو بتائے اپنا مکان خالی کرکے بھاگ گئے۔ صورتحال یہ ہے کہ آج بینکوں کو ان مکانات کی دیکھ بھال کرانا بھی دشوار ہوگیا ہے اور وہ مجبوراً ایسے افراد کی تلاش میں ہیں جو ان مکانات میں بالکل مفت رہائش اختیار کرکے ان کی دیکھ بھال کرسکیں۔ لیکن اتنے بڑے مکانات میں رہائش اختیار کرنے اور ان کی دیکھ بھال کے لئے بھی کوئی تیار نہیں کیونکہ ان مکانات کی دیکھ بھال پر کافی خرچ آتا ہے۔

ملٹی نیشنل کمپنیوں کی غلط تجارتی پالیسیاں:

اکثر ملٹی نیشنل کمپنیوں کی تجارتی پالیسیاں بالکل غلط ہیں جس کی وجہ سے انہیں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اپنی مصنوعات کی تشہیر کے لئے وہ اپنے سرمایہ کا بیشتر حصہ اشتہاری مہم پر صرف کردیتے ہیں۔ چند کمپنیاں تو ایسی بھی ہیں جن کے سرمایہ کا تقریباً ۷۵ فیصد حصہ محض اشتہارات پر صرف ہوجاتا ہے۔ ان اشتہارات میں مشہور ومعروف لوگوں کو بھاری فیس ادا کرکے لیا جاتا ہے۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں ہوتا۔ فروخت میں اضافہ تو ہوتا ہے لیکن اتنا نہیں کہ اشتہاری مہم پر لگائی ہوئی رقم واپس مل سکے۔ اس کے علاوہ کئی کمپنیاں ایک ہی قسم کی مصنوعات تیار کرتی ہیں اور ہر کمپنی اپنی اپنی مصنوعات کو بڑھا چڑھا کر اپنی اشتہاری مصنوعات کو بڑھا چڑھا کر اپنی اشتہاری مہم میں پیش کرتی ہے۔ مثال کے طور پر صرف کاسمیٹکس صنعت ہی کو لے لیجئے۔ بے شمار کمپنیاں موجود ہیں۔ ساری ہی کمپنیاں اپنی مصنوعات کی تشہیر کرتی ہیں۔ لیکن کیا کبھی ان کمپنیوں نے یہ بھی سوچا ہے کہ کتنے فیصد صارفین ان کی تیار کردہ چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ کروڑوں روپے اشتہاری مہم پر صرف کرنے کے بعد بھی انہیں وہ نتیجہ نہیں حاصل ہوتا۔

اکثر کمپنیاں مارکیٹ میں اپنی ساکھ باقی رکھنے کے لئے شیئر مارکیٹ میں اپنے شیئر کی قیمتیں بڑھا دیتی ہیں۔ ان کا منافع صرف کاغذ پر ہوتا ہے۔ جب کہ درحقیقت کمپنی خسارے میں جارہی ہوتی ہے۔ حالیہ دنوں میں ستیم اس کی ایک مثال ہے۔ کئی کمپنیاں ایسی ہیں جو بینک سے قرض حاصل کرنے کے لئے غلط بیلنس شیٹ تیار کرتی ہیں اور غلط اعداد وشمار پیش کرکے بینک سے قرض حاصل کرلیتی ہیں۔ ظاہر ہے اس کا نتیجہ کیا نکلے گا اس کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ملازمین کی بھاری تنخواہیں

ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنے ملازمین کو جو تنخواہیں ادا کرتی ہیں وہ ان کی لیاقت، تجربہ اور کار اوقات سے بے حد زیادہ ہیں۔ آج کل یہ رواج عام ہے کہ بڑی کمپنیاں کیمپس ہی میں، جب کہ طالب علم اپنی تعلیم بھی مکمل نہیں کرپاتا، طلبا کا اپنی کمپنیوں کے لئے انتخاب کرلیتی ہیں اور تکمیل تعلیم کے بعد زبردست تنخواہ پر انہیں ملازمت پر رکھ لیتی ہیں۔ ایک بالکل فریش گریجویٹ جس نے ابھی اپنی عملی زندگی کے میدان میں قدم بھی نہیں رکھا ہو اُسے اگر کوئی کمپنی ایک ڈیڑھ لاکھ ماہانہ مشاہرہ پر ملازمت دے گی تو کیا ہوگا؟ اس کے سامنے روپیوں کی کیا اہمیت رہ جائے گی؟ جب تک وہ زیر تعلیم تھے ان کی ماں باپ اپنے خون پسینہ کی کمائی سے انہیں تعلیم دلا رہے تھے۔ ایک ایک پیسہ جوڑ کر انہوں نے اس کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام کیا تھا۔ کتنی مشکلوں اور تکالیف کا سامنا کرکے انہوں نے یہ روپے کمائے تھے یہ بات والدین ہی جانتے ہیں لیکن بچوں کو اس کا احساس ہی نہیں کہ کس طرح ان کے والدین نے ان کی تعلیم کا انتظام کیا اور کیا کیا قربانیاں دیں۔ ان کے سامنے اچانک اتنا سارا روپیہ آجاتا ہے تو ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ ان روپیوں کا کیا کریں۔ وہ بھٹک جاتے ہیں اور بے دریغ روپیہ خرچ کرنا شروع کردیتے ہیں۔ ان کے ماں باپ نے اپنا خون پسینہ ایک کرکے اپنے بچے کو تعلیم لائی تھی لیکن اب جب ان کے بچے کو بغیر خون پسینہ بہائے صرف ایک ماہ کی تنخواہ کی صورت میں اتنا مل جائے جو کہ انہیں اپنی ساری زندگی محنت کرنے کے باوجود نہیں مل پایا تو خود سوچئے کہ اس کا کیا اثر ہوگا؟ ایک طرف تو والدین کو بہر حال خوشی ہوگی کہ ان کا بچہ اتنا زیادہ کمانے لگا ہے لیکن دوسری طرف ان کے بچے پر اس دولت کے کیا اثرات پڑیں گے کیا اس کی طرف کسی نے دھیان دیا ہے؟ ایسے نوجوانوں کو روپے کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ روپیہ کمانا بے حد آسان ہے۔ چونکہ وہ اب تک عملی زندگی سے دور رہے تھے اس لئے انہیں نہ تو قیمتوں کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوتا ہے۔ گھروں کا کرایہ کتنا ہوتا ہے، ایک گھر بنانے میں کتنی لاگت لگتی ہے اس کا بھی انہیں علم نہیں۔ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ وہ چیزوں کی منہ مانگی قیمت ادا کردیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے قیمتوں میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ رہائشی کمروں کے لئے جن کا کرایہ زیادہ سے زیادہ پانچ سو روپیہ ہوتا ہے وہ پانچ ہزار روپے تک دے دیتے ہیں۔ ریئل اسٹیٹ کی قیمتوں میں حد سے زیادہ اضافے کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے۔ غرض یہ کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اس غلط پالیسی کی وجہ سے غیر ضروری مہنگائی جنم لینے لگی۔

بینکوں کا کریڈیٹ کارڈ نظام:

مغربی اور یوروپی نظام معیشت کی بنیاد ہی قرض ہے۔ یہاں کار، بنگلہ، فرنیچر، ایئر کنڈیشن، فریج، ٹیلی ویژن موبائل حتی کہ ملبوسات اور اناج تک قسطوں میں مہیا ہوجاتا ہے۔ اس سہولت سے فائدہ اٹھا کر نادان لوگ اپنے بجٹ کا خیال کئے بغیر بلا دریغ وہ چیزیں بھی خرید لیتے ہیں جن کی انہیں ضرورت نہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی قسطوں کی رقم پوری طرح ادا نہیں کرپاتے۔ بینک بھی اپنے کریڈیٹ کارڈ ہولڈرس کو یہ چھوٹ دے دیتے ہیں کہ وہ صرف ۸ فیصد ادا کرکے باقی رقم اگلے ماہ ادا کرسکتے ہیں۔ اسی طرح ہر ماہ وہ صرف ۸ فیصد ادا کرتے رہتے ہیں اور آخر کار یہ ہوتا ہے کہ اصل پر سود اور پھر سود پر سود کی شکل میں لاکھوں روپیہ واجب الادا ہوجاتا ہے۔ پھر وہ وقت آتا ہے جب قرضدار اپنا قرض ادا کرنے کے قابل نہیں رہتا پھر جب بینک ادائیگی کا تقاضا شروع کردیتے ہیں اور قرض دار ادا نہیں کرپاتا تو بینک کو گھاٹا ہونے لگتا ہے۔

غیر ضروری اشیاء کا استعمال

مغربی معاشرہ اور اس کی تہذیب پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بالکل غیر ضروری چیزوں کو بھی ضروریات زندگی میں شامل کرلیا گیا ہے۔ میک اَپ کی مصنوعات، فیشن کی مصنوعات، شراب، جوا، غیر ضروری فرنیچر، موسیقی، فلمیں، تفریح گاہیں، نائٹ کلبس، فائیو اسٹار ہوٹل، سوئمنگ پولز، کاسمیٹکس، منشیات، اسلحہ رکھنا، مصوروں کی پینٹنگ جن کی قیمتیں کئی کئی ہزار ڈالر میں خریدی جاتی ہیں۔ اور دیگر خرافات۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے بغیر بھی زندگی پُرآسائش طریقہ سے گزاری جاسکتی ہے لیکن مغربی معاشرے کی اندھی تقلید کو ترقی کی علامت سمجھ کر آج پوری دنیا ایک ایسے سنگین معاشرتی مسئلہ سے دوچار ہوچکی ہے کہ اس کا کوئی حل آج کے دانشوروں کے سامنے نہیں ہے۔

شراب، جوئے خانے اور منشیات کا استعمال

آج ترقی یافتہ ممالک کی حالت یہ ہے کہ وہ شراب، جوئے خانے اور منشیات کو اپنی زندگی کا لازمی جز بنائے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر ترقی ممکن نہیں، حالانکہ ملکوں اور قوموں کا زوال انہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ آج دنیا میں سب سے بڑی تجارت اگر کوئی ہے تو وہ انہی چیزوں کی ہے۔ امریکہ میں جوئے اور شراب کے اتنے بڑے بڑے اڈے پائے جاتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی جوئے خانے کے اندر داخل ہوجائے تو اسے اس سے باہر نکلنے میں چار پانچ دن لگ جائیں اور یہاں ایسا ہی ہوتا ہے کہ جوا کھیلنے والا آدمی ان جوئے خانوں میں داخل ہوکر مہینوں باہر نہیں نکلتا۔ کیونکہ کھانا، پانی، شراب سب کچھ اسے یہیں مل جاتا ہے، کپڑے وہ سوٹ کیس بھر کر اپنے ساتھ لاتا ہے اور اگر کبھی خالی ہاتھ بھی چلا آجائے تو کسی پریشانی کی بات نہیں کیونکہ جوئے خانے کے اندر ہی بڑا شاپنگ کامپلیکس موجود ہوتا ہے، بینک کا اے ٹی ایم موجود رہتا ہے اور وہ اپنی ضرورت کی ہر چیز ایک ہی چھت کے نیچے حاصل کرلیتا ہے۔ ان جوئے خانوں میں روزانہ کروڑوں ڈالروں کا جوا ہوتا ہے اور کس طرح روپیہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوجاتا ہے اس کا کسی کو پتہ ہی نہیں چلتا۔ ان جوئے خانوں میں نہ جانے کتنے آدمی اپنا سب کچھ لٹا کر نکل جاتے ہیں اور نہ جانے کتنے باہر آکر خودکشی کرلیتے ہیں اس کا کوئی شمار نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی لعنت ہے جسے لوگ ہنسی خوشی اپنے گلے لگانے کو تیار رہتے ہیں اور آج کی ترقی یافتہ قوم اس لعنت سے چھٹکارا پانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتی۔

غیر ضروری جنگیں:

عالمی اقتصادی بحران کا ایک اور سبب وہ جنگیں ہیں جو زبردستی دوسرے ممالک پر تھوپی جاتی ہیں۔ ماضی قریب اور ماضی بعید میں ایسی کئی جنگیں ہوئیں ہیں جن کا اثر عالمی اقتصادیات پر پڑا ہے۔ عراق میں صدام حسین حکومت کے خلاف جو جنگ امریکہ نے چھیڑی اور جس طرح عراق کو تباہ وبرباد کرکے رکھ دیا وہ ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔ خود امریکی عوام نے اور کئی دیگر ممالک نے بھی امریکہ کے اس اقدام کی مذمت کی۔ لیکن امریکی صدر جارج بش نے اپنی ہٹ دھری میں کسی بھی مخالفت کی پروا نہیں کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف عراق تباہ ہوا بلکہ اس کے ساتھ ہی امریکی معیشت کا بھی براحال ہوگیا۔ عراق کے علاوہ امریکہ نے افغانستان کو بعد میدان جنگ بنادیا اور نام نہاد انسداد دہشت گردی کے نام پر افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ پھر وہاں اپنی کٹھ پتلی حکومت قائم کی۔

عالمی کساد بازاری نے ساری دنیا کو ایک پیغام دیا ہے کہ دنیا کے سارے لوگ کرپشن، چور بازاری، سرکاری آمدنی کی غیر منصفانہ تقسیم، بینکوں کے سودی نظام، شراب اور جوئے کے اڈوں اور سرکاری دفاتر اور ملٹی نیشنل کمپنیوں میں ملازمین کی بھاری تنخواہوں کے خلاف متحد ہوکر اپنے اپنے ملک میں محاذ قائم کریں اور اپنی آواز بلند کریں۔

اس کے باوجود امریکہ کو تسلی نہیں ہوئی تو اس نے کئی ہزار مزید افواج افغانستان میں تعینات کردیں۔ امریکہ کے نئے صدر بارک حسین اُبامہ نے حالانکہ یہ اندازہ کرلیا تھا کہ غیر ضروری جنگوں سے امریکہ کو کتنا نقصان ہوا ہے، اسی لئے انہوں نے عراق سے ایک سال کے اندر پوری امریکی فوج واپس بلوانے کی بات کہی ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے، اپنے جنگی مشیروں کی باتوں میں آکر انہوں نے افغانستان میں مزید سترہ ہزار افواج روانہ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ بارک حسین اُبامہ کا یہ اقدام دراصل ان کی اس ذہنیت کا عملی اظہار ہے جس کے تعلق سے انہوں نے کانگریس سیشن کے اوّلین اجلاس سے خطاب کے دوران کہا تھا کہ ”اب وقت آگیا ہے کہ امریکہ پھر سے عالمی قیادت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں تھامے۔“ امریکہ کو دراصل اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ کونسا ملک تباہ ہورہا ہے۔ وہ صرف اپنی چودھراہٹ قائم کرنا چاہتا ہے کیونکہ اگر اسے اپنی گرتی ہوئی معیشت کو سنبھالنا ہے تو یہ صرف دوسرے ممالک کی دولت سے ممکن ہے۔ چنانچہ وہ چاہتا ہے کہ دوسرے ممالک کی دولت اور وہاں کی معدنیات کو اپنے استعمال میں لائے۔ اسی لئے کبھی ایران کو دھمکی دیتا ہے تو کبھی پاکستان کو، کبھی افغانستان پر جنگ لاد دیتا ہے تو کبھی عراق اس کا نشانہ بنتا ہے۔ کبھی اسرائیل کو ساتھ لے کر وہ فلسطین پر حملے کراتا ہے تو کبھی شام اور لیبیا کی طرف خشمگیں نگاہوں سے دیکھنے لگتا ہے۔ امریکہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ کس طرح اس نے ساری دنیا کو ایک میدان جنگ میں تبدیل کردیا ہے۔ ہیروشیما سے لے کر ویت نام تک اور ایران وعراق سے لے کر افغانستان تک اور شام وفلسطین سے لے کر بوسنیا اور کوسوو تک، کیا کچھ نہیں کیا امریکہ نے؟

نیوکلیئر ہتھیار اور جنگی ساز وسامان کی تیاری

امریکہ اور دیگر ترقی یافتہ ممالک نے تو نیوکلیئر ہتھیار تیار کرلئے لیکن جب دنیا کے دوسرے ممالک نے نیوکلیئر ٹکنالوجی اختیار کرنی چاہی تو وہ اور دیگر ممالک مزاحم ہوگئے اور پابندیاں عائد کرنی شروع کردیں۔ صرف اس لئے کہ اگر دوسرے ممالک بھی نیوکلیئر ٹکنالوجی حاصل کرلیں گے تو ان کے نیوکلیئر اسلحہ جات کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا اور نہ ہی ان سے کوئی ڈرنے والا ہوگا۔ امریکہ میں بڑی اسلحہ ساز فیکٹریاں اسلحہ سازی کررہی ہیں جہاں سے ساری دنیا کو من مانی قیمتوں پر اسلحہ سپلائی کیا جاتا ہے۔ میزائل، جنگی طیارے، ہیلی کاپٹر، بحری بیڑے، جنگی آبدوزیں، بکتر بند گاڑیاں، فوجی ٹینک، رائفلیں، بندوقیں راکٹ لانچرس اور نہ جانے کیا کیا خطرناک ہتھیار یہ فیکٹریاں تیار کرتی ہیں پوری دنیا میں یہ جنگی ساز وسامان انتہائی مہنگے داموں فروخت کیا جاتا ہے۔ دفاعی منصوبوں کے نام پر دنیا کے دیگر ممالک بھی امریکی جھانسے میں آکر یہ ہتھیار خریدنے لگتے ہیں اور اپنے ملک کی دولت امریکہ منتقل کردینے میں کوئی عیب نہیں سمجھتے۔ ملک اپنے آپ کو طاقتور بنانے کے شوق میں اپنی معیشت تباہ کرنے کو تیار ہوجاتا ہے۔ ملک کی ترقی کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں انہیں بھول کر اپنے بجٹ کا ایک بڑا حصہ دفاعی سرگرمیوں پر لگا دیتا ہے۔

خلائی دوڑ اور ستاروں پر کمند پھینکنے کے مشن پر غیر ضروری اخراجات

اسی طرح ایک طرف جہاں ملکوں کا دفاعی بجٹ بڑھ گیا ہے وہیں ہر ملک آج خلائی دوڑ میں شامل ہونا چاہتا ہے اور ستاروں پر کمند پھینکنے کی تیاریوں میں لگا ہوا ہے۔ مصنوعی سیارے تو تقریباً ہر ملک کے خلا میں چکر کاٹ رہے ہیں۔ تازہ ترین اطلاع کے مطابق خلا میں مختلف ممالک کے تقریباً سترہ ہزار مصنوعی سیارے یعنی سیٹلائیٹ گردش کررہے ہیں۔ حال ہی میں ایک روسی سیٹلائیٹ اور ایک امریکی سیٹلائیٹ کے درمیان خلا میں ٹکر بھی ہوگئی۔ ان کا ملبہ خلائی اسٹیشنوں اور دوسرے مصنوعی سیاروں کے لئے خطرہ کا باعث بنا ہوا تھا۔ خلائی دوڑ میں شامل ہونے سے کسی کو منع نہیں کیا جاسکتا تاہم ہر ملک اپنے ملکی حالات کے تحت کس چیز کو اولیت دی جائے اور کس کو ثانوی حیثیت دی جائے اس کا فیصلہ سوچ سمجھ کر ٹھنڈے دماغ سے کرے۔ چاند پر راکٹ بھیجنے سے زمین کے مسائل حل نہیں ہوسکتے۔ پہلے زمینی مسائل کو حل کیا جائے اور اس کے بعد ستاروں پر کمند پھینکنے کی باتیں کی جائیں تو سمجھداری ہوگی۔ اسلحہ جات کی تیاری اس حد تک ہو کہ ہم اپنی سرحدوں کی حفاظت کرسکیں۔ اگر دنیا کے سبھی ممالک کی سوچ اس طرح ہوجائے تو یہ ساری دنیائے امن ہوجائے۔ لیکن جب تک حکمرانوں میں دنیا پر حکومت کرنے یا ساری دنیا کو اپنی مٹھی میں کرلینے کی ہوس برقرار رہے گی، ایسا ہونا ممکن نہیں۔ امن کے نام پر جب تک جنگ جاری رہے گی۔ تب تک یہ دنیا جہنم کی طرح جلتی ہی رہے گی۔ امن اسی وقت قائم ہوگا جب غیر ضروری جنگوں کا خاتمہ ہوجائے گا۔ خواہ مخواہ دہشت گردی کا ہوا کھڑا کرکے اس کے خلاف جنگ کا اعلان محض ایک شرارت اور دنیا پر اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کا ایک بہانہ ہے۔ اگر دنیا کے دیگر ممالک اس بات کو نہیں سمجھتے تو اس میں ان کا ہی خسارہ ہے۔

امریکہ کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ کس طرح اس نے ساری دنیا کو ایک میدانِ جنگ میں تبدیل کردیاہے۔ ہیروشیما سے لے کر ویت نام تک اور ایران و عراق سے لے کر افغانستان تک اور شام وفلسطین سے لے کر بوسنیا اور کوسوو تک، کیا کچھ نہیں کیا امریکہ نے ؟

حل کیا ہے؟

یہ ساری بحث صرف اس لئے ہے کہ عالمی کساد بازاری یا عالمی اقتصادی بحران پر کیسے قابو پایا جائے؟ آخر اس کا حل کیا ہے؟

اس سلسلے میں چند تجاویز ذیل میں پیش ہیں جن پر دانشوران عالم غور کرسکتے ہیں اور اپنی آراء اپنی حکومتوں کو دے سکتے ہیں۔ ماہرین معاشیات بھی ان تجاویز پر غور کرسکتے ہیں اور ان پر عمل پیرائی کے لئے عالمگیر مہم چلاسکتے ہیں۔

سب سے پہلی تجویز یہ ہے کہ بینک سود پر قرض دینا بند کردیں، لوگ حیران ہوں گے کہ اگر بینک سودی قرض دینا بند کردیں تو بینکنگ نظام کیسے چلے گا؟ حیران نہ ہوں کہ سودی قرضہ بند کرکے بھی بینکنگ نظام اچھی طرح چل سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ بینک تجارتی اداروں کو قرض دیں تو نفع اور نقصان کی بنیاد پر دیں۔ اس کے لئے باقاعدہ شراکت داری کا معاہدہ ہو اور بینک اپنے نمائندوں کو اس تجارتی ادارے میں اپنا ڈائریکٹر مقرر کریں جسے وہ قرضہ فراہم کریں۔ اس کے علاوہ اہم شعبہ جات میں بینک کے اپنے تجربہ کار نمائندے موجود ہیں جو تجارت میں فعلی کردار ادا کریں اور کڑی نگرانی کریں۔ اس طرح بینک بھی براہ راست تجارت میں ملوث ہوں گے۔ بہت سارے لوگوں کو ملازمتیں ملیں گی اور سیاہ وسفید دونوں بینک کے سامنے ہمہ وقت موجود ہوں گے۔ کسی بھی قسم کے گھپلے کا امکان بھی نہیں رہے گا۔ بینک اس طرح کئی کمپنیوں کے ساتھ تجارتی معاہدے کرسکتے ہیں۔ یہ چیز بینکوں کے لئے کوئی نئی نہیں ہے کیونکہ پہلے ہی سے بینکوں کی یہ روش رہی ہے کہ وہ منافع بخش کمپنیوں کے شیئرز خرید کر سرمایہ کاری کرتے چلے آئے ہیں۔ بہت ساری انشورنس کمپنیاں بھی کئی کمپنیوں کے حصص خریدتی ہیں اور اپنے پالیسی ہولڈروں کو اس کا منافع بھی دیتی ہیں۔ سودی قرضہ کے بجائے نفع ونقصان کی بنیاد پر سرمایہ کاری کرنا بھی دراصل اسی کی ایک شکل ہے جسے بآسانی انجام دیا جاسکتا ہے۔

(۲) بینک کریڈیٹ کارڈ نظام بالکل بند کردے۔ اس کے بجائے صرف ڈیبٹ کارڈ بحال رکھے۔ کریڈیٹ کارڈ دراصل عوام کو دھوکہ دیتا ہے اور انہیں غیر ضروری اشیاء خریدنے کے لئے ورغلاتا ہے۔ کریڈیٹ کارڈ انسانی حقوق پر شب خون مارنے کے مترادف ہے۔ کریڈیٹ کارڈ استعمال کرنے والے کے گرد ایک ایسا اَن دیکھا شکنجہ کس دیا جاتا ہے کہ استعمال کرنے والے اس میں لاشعوری طور پر پھنستے چلے جاتے ہیں۔ انہیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ جال میں پھنسے ہوئے ہیں اس کے برعکس وہ ہنسی خوشی اپنے آپ کو اس شکنجے میں پھنسنے کے لئے آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ انہیں ہوش اس وقت آتا ہے جب اچانک انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کریڈیٹ لمٹ ختم ہوگئی ہے۔ بینکوں کی چالاکی دیکھئے کہ وہ ہر ماہ اپنا بل روانہ کرتے ہیں اور اپنے صارفین سے کہتے ہیں کہ وہ چاہیں تو اس بل کا صرف آٹھ فیصد ادا کرکے بقیہ بعد میں بھی ادا کرسکتے ہیں۔ صارفین کے پاس عام طور پر روپیہ نہیں ہوتا کیونکہ اگر ان کے پاس روپیہ ہوتا تو وہ کریڈیٹ کارڈ پر کیوں خریدتے؟ چنانچہ ہوتا یہ ہے کہ صارف صرف آٹھ فیصد ادا کردیتا ہے اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہتا ہے کہ جیسے ہی اس کے پاس روپیہ آئے گا۔ وہ بینک کو ادا کردے گا۔ لیکن یہ موقع اسے ملتا ہی نہیں، کیونکہ فوراً کوئی غیر ضروری ”ضرورت“ اسے پیش آجاتی ہے اور وہ اپنا کریڈیٹ کارڈ استعمال کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ کریڈیٹ کارڈ کے بقیہ جات پر اب ہر ماہ سود چڑھتا جاتا ہے۔ کیونکہ صارف صرف آٹھ فیصد ادا کرتا ہے اس لئے باقی 92 فیصد واجب الادا کے ساتھ اس کا سود ملا لیا جاتا ہے اور اگلے ماہ یہ رقم سود کے ساتھ ملا کر صارف کی اصل قیمت خرید سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہ چکر یوں ہی چلتا رہتا ہے اور ایک دن وہ آتا ہے جب ایک ہزار میں خریدی ہوئی چیز صارف کے لئے دس ہزار کی ہوجاتی ہے۔ کیا یہ بینک کا اپنے صارفین کے ساتھ دھوکہ نہیں ہے؟

(۳) تیسری تجویز یہ ہے کہ ملٹی نیشنل اور دیگر کمپنیاں اپنے ملازمین کو زبردست تنخواہیں دینا بند کردیں اور اتنی ہی تنخواہ دیں جتنی کہ ان کی لیاقت، تجربہ اور کار اوقات ہو۔ انیس بیس سالہ نوجوانوں کو جنہیں زندگی کا کوئی تجربہ نہ ہو، ہر ماہ پچاس ہزار (ہندوستان میں) اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ (غیر ممالک میں) تنخواہ دینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ یہ نوجوان جنہوں نے اپنی زندگی میں بھی یکمشت اتنی رقم نہیں دیکھی، اچانک اتنا سارا روپیہ اپنے پاس دیکھ کر بہک جاتے ہیں اور اندھا دھند یہ روپیہ خرچ کرنے لگتے ہیں جس کے کئے بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اکثر نوجوان اپنا اخلاق کھو بیٹھتے ہیں اور غلط راستوں کے راہی بن جاتے ہیں۔ اپنی ناتجربہ کاری اور لاعلمی کی وجہ سے یہ نوجوان چیزوں کی منہ مانگی قیمت دے دیتے ہیں۔ سو روپے کی چیز دو سو روپیوں میں خرید کر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے بہت سستے داموں میں یہ چیز خرید لی ہے۔ پانچ سو روپے کرایہ کا کمرہ پانچ ہزار میں لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی مروجہ کرایہ ہے۔ اس طرح ملٹی نیشنل کمپنیوں کی غلط پالیسی کی وجہ سے ہر چیز مہنگی ہوگئی۔ خود ملٹی نیشنل کمپنیوں کو اپنی اس غلط پالیسی کی وجہ سے کافی نقصان کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے انہیں اپنے سارے ملازمین کو سبکدوش کرنا پڑا۔ لاکھوں افراد اپنی ملازمت کھو کر آج گھر بیٹھے ماتم کررہے ہیں اور صورتحال یہ ہے کہ یہ لوگ چھوٹی ملازمتوں کے لئے تیار نہیں اور نہ محنت ومشقت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان کی سوچ بدل چکی ہے، وہ یہی سمجھ رہے ہیں کہ وہ صرف ملٹی نیشنل کمپنیوں میں ملازمت کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں۔ ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر کام کرنے کے وہ اتنے عادی ہوگئے ہیں کہ جاڑے کے موسم میں دس قدم سڑک پر چلنا بھی ان کے لئے دشوار ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی بھاری تنخواہوں نے ہمارے نوجوانوں کو ناکارہ، سست اور کاہل بنادیا ہے اور اب یہ کسی کام کے لائق نہیں رہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ملٹی نیشنل کمپنیاں اپنی پالیسیوں کا پھر سے جائزہ لیں اور اپنا بجٹ مقرر کرکے چلیں۔ اپنی پیداوار اور اخراجات کے تناسب کو ساتھ لے کر چلیں اور منافع کا صحیح اندازہ لگائیں، اسی مناسبت سے اپنا بجٹ بھی بنائیں اور ایک لائحہ عمل بنا کر کام کریں۔ حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ ملٹی نیشنل اور دیگر ایسی ہی بڑی کمپنیوں میں تنخواہوں کی حدود مقرر کرے۔

(۴) غیر ضروری اشیاء کو ضروریات زندگی میں شامل کرنے سے احتراز کیا جائے۔ دولت کمانے کے لالچ میں کئی کمپنیاں ایسی ہیں جو عوام کو غیر ضروری اشیاء کی خریداری کی ترغیب دے رہی ہیں۔ مارکیٹ میں غیر ضروری اشیاء اور مصنوعات کی بھرمار ہوگئی ہے اور لوگ اندھا دھند ان کی طرف لپک رہے ہیں۔ اشتہاری مہم کے ذریعہ عوام کو مجبور کیا جارہا ہے کہ وہ یہ چیزیں خریدیں۔ درحقیقت یہ کمپنیاں عوامی نفسیات سے کھیل رہی ہیں اور انہیں ایسی مصنوعات خریدنے کی ترغیب دے رہی ہیں جن کی دراصل عوام کو ضرورت ہی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر ٹھنڈے مشروبات کی بوتلیں جیسے کوکا کولا، پیپسی وغیرہ کو لے لیجئے۔ یہ محض پانی شکر، رنگ اور گیس کا گھول ہے جس کی لاگت بہ مشکل ۳۰ پیسے ہوگی۔ لیکن عوام دس روپے دے کر اسے خریدتے ہیں۔ حالانکہ یہ مشروب صحت کے لئے بے حد مضر ہے اور آدمیوں کے گردے متاثر کرتا ہے اس کے باوجود لوگ اندھا دھند استعمال کرتے ہیں۔ دوسری مثال کاسمیٹکس اور چہرے کو خوبصورت بنانے کے لوشن، کریم وغیرہ ہیں جن کے بغیر بھی انسان زندہ رہ سکتا ہے اور ایک خوبصورت زندگی گزار

باقی صفحہ ۵ پر

دعوت

۲۲ر مارچ ۲۰۰۹ء

انسانی حقوق کی پامالی

قومی انسانی حقوق کمیشن نے حسب سابق اعداد وشمار جمع کر کے ملک میں انسانی حقوق کی پامالی کی رپورٹ شائع کر کے سبھی کو بتادیا کہ انسانی حقوق کی صورتحال کیسی ہے اور حکومت وعوام کو کیا کرنا چاہئے۔ کمیشن نے جو رپورٹ جاری کی ہے اس کے مطابق گزشتہ سال اسے انسانی حقوق کی پامالی کی کل شکایتیں ۹۴۵۵۹ موصول ہوئیں۔ یہ اعداد وشمار پورے ملک کے ہیں۔ انفرادی طور پر ریاستوں میں انسانی حقوق کی پامالی کی صورتحال یہ ہے کہ سب سے زیادہ ملک کی سب سے بڑی ریاست اترپردیش سے ۵۵۲۱۶ شکایتیں کمیشن کو موصول ہوئیں۔ جب کہ راجدھانی دہلی کا نمبر دوسرا ہے جہاں ۵۶۱۶ شکایتیں ہیں۔ تیسرے نمبر پر گجرات سے ۳۸۱۳، چوتھے نمبر پر بہار سے ۳۶۷۲، پانچویں نمبر پر ہریانہ سے ۳۴۹۳، چھٹے نمبر پر مہاراشٹر سے ۳۴۸۳، ساتویں نمبر پر راجستھان سے ۲۶۴۰، آٹھویں نمبر پر مدھیہ پردیش سے ۲۲۴۶ اور نویں نمبر پر پنجاب سے ۱۰۸۲ شکایتیں موصول ہوئیں۔ دیگر ریاستوں یا مرکز کے زیر انتظام علاقوں سے ایسی شکایتیں کم آئیں۔ صرف لکشدیپ اس معاملے میں بے داغ ہے۔ ورنہ ہر جگہ کم یا زیادہ انسانی حقوق کی صورتحال خراب ہے۔

قومی انسانی حقوق کمیشن ہر سال اپنی ذمہ داری سمجھ کر مذکورہ رپورٹ تو شائع کردیتا ہے۔ اس کے بعد آگے کا مرحلہ حکومتوں کا ہوتا ہے جو اپنی ذمہ داری نہیں نبھاتیں اور خراب ریکارڈ کو درست نہیں کرتیں۔ اس کی وجہ سے انسانی حقوق کی پامالی کی صورت حال دن بدن خراب ہوتی رہتی ہے۔ چونکہ مذکورہ کمیشن حکومت کا بنایا ہوا آئینی ادارہ ہے۔ حکومت اس کی رپورٹوں کو نظر انداز تو کردیتی ہے لیکن اس پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کرتی۔ لیکن اگر اس طرح کی رپورٹیں انسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیموں ایمنسٹی انٹرنیشنل یا ہیومن رائٹس واچ یا امریکی اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کی طرف سے جاری ہوتی ہیں تو فوراً ہی ان کے خلاف سخت ردعمل اور ناراضگی ظاہر کردیتی ہے اور انہیں ملک کے اندرونی امور میں مداخلت بھی قرار دے دیتی ہے۔ لیکن خود یہ نہیں سوچتی کہ اپنا ریکارڈ اتنا خراب کیوں رہتا ہے کہ دوسروں کو بدلنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔

ملک میں انسانی حقوق کی پامالی کی شکایت نئی نہیں ہے، بہت پرانی ہے، ایسی شکایتوں میں بے تحاشہ اضافے کے بعد ہی حکومت نے قومی انسانی حقوق کمیشن تشکیل دیا تھا تاکہ اس کے ذریعہ ایسی شکایتوں کو دُور کیا جاسکے۔ یہ بات صحیح ہے کہ موصولہ شکایتوں کے صحیح نکلنے پر نقصان کی تلافی کے لئے کمیشن حکومت سے جو کہتا ہے اس پر عمل کیا جاتا ہے لیکن ایسی شکایتوں کی نوبت مستقبل میں نہ آئے اس کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے بار بار وہی شکایتیں کمیشن کو موصول ہوتی رہتی ہیں۔ کمیشن کی رپورٹ کا کتنا اثر حکومت پر پڑتا ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ دن بدن انسانی حقوق کی پامالی کی صورتحال خراب ہوتی جارہی ہے اور کمیشن صرف اعداد وشمار جمع کر کے شائع کرنے والا ادارہ بن کر رہ گیا ہے۔ اس سے زیادہ اسے اختیارات بھی حاصل نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے طور پر شکایتوں کو دُور کرنے کے لئے کمیشن کو ضرورت کے تحت افراد وعمل بھی فراہم نہیں کئے گئے ہیں۔

سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیا صرف کمیشن کی طرف سے ہر سال انسانی حقوق کی پامالی کی رپورٹ شائع کردینے سے حکومت کی ذمہ داری پوری ہوجاتی ہے۔ یا کمیشن اپنی توجہ ذمہ داری پوری کردیتا ہے، مرکزی اور ریاستی حکومتیں اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتیں۔ کمیشن کو زیادہ تر شکایتیں پولیس کی زیادتیوں سے متعلق موصول ہوتی ہیں جن میں زیر حراست اموات اور آج کل فرضی انکاؤنٹروں کی بڑھتی ہوئی شرح سب سے زیادہ تشویشناک ہے۔ کمیشن کے رہنما اصول وہدایات ہونے کے باوجود یہ سب واقعات بار بار پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر حکومت ان سب شکایتوں پر توجہ دے کر ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال کو بہتر بنادے تو اس طرح کی رپورٹوں کی نوبت ہی نہیں آئے گی اور نہ ہی ملک کا ریکارڈ خراب ہوگا اور نہ بدنامی ہوگی۔

بٹلہ ہاؤس مبینہ انکاؤنٹر معاملہ میں نیا موڑ

حقائق پر پردہ ڈالنے اور انصاف میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی دہلی پولیس اور مرکزی حکومت کی کوششیں ناکام ہوتی نظر آرہی ہیں

بٹلہ ہاؤس مبینہ انکاؤنٹر معاملہ میں دہلی پولیس اور مرکزی حکومت کی ہٹ دھرمی اب حقائق کی پردہ پوشی میں کامیاب نظر نہیں آرہی ہے۔ کیونکہ حقائق کو سامنے لانے اور انصاف کی کوششیں رنگ لانے لگی ہیں۔ اس معاملہ نے اس وقت نیا موڑ لے لیا جب مرکزی اطلاعات کمیشن نے پولیس کو مبینہ انکاؤنٹر میں مارے گئے محمد عاطف، ساجد اور انسپکٹر موہن چند شرما کی پوسٹ مارٹم رپورٹیں فراہم کرنے کی ہدایت دے دی اور ادھر ہائی کورٹ نے اس معاملہ میں مجسٹریٹ جانچ سے لیفٹیننٹ گورنر کے انکار پر ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے سرکار کو اپنا رُخ صاف کرنے کو کہا اور دہلی پولیس کو کیس اسٹڈی پیش کرنے کی ہدایت دے دی۔

بٹلہ ہاؤس مبینہ انکاؤنٹر کے حقائق سامنے لانے اور انصاف دلانے کی تحریک اب پوری طرح قانونی لڑائی میں تبدیل ہوگئی ہے کیونکہ اب یہ معاملہ دہلی ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے جہاں عرضی داخل کر کے عدالتی انکوائری کی درخواست کی گئی ہے۔ مذکورہ انکاؤنٹر جسے علاقہ کے لوگ ہلاک شدگان کے لواحقین فرضی بتاتے ہیں، ۱۹ر ستمبر کو پیش آیا تھا۔ روز اوّل سے اس پر شبہ کیا جارہا ہے اور اس کی اعلیٰ سطحی یا عدالتی جانچ کی مانگ کی جارہی ہے۔ اس کے لئے تحریک چلانے والے دہلی کی وزیر اعلیٰ شیلا دکشت سے لے کر وزیر اعظم منموہن سنگھ اور یوپی اے کی چیئرپرسن سونیا گاندھی تک ملاقات کرچکی ہیں۔ قومی اقلیتی کمیشن اور قومی انسانی حقوق کمیشن میں بھی اٹھاچکے ہیں۔ ہر جگہ انہیں مایوسی ہوئی۔ صرف قومی انسانی حقوق کمیشن نے ہی ابھی تک انہیں انصاف دلانے کا بیڑا اٹھا رکھا اور انصاف کی تھوڑی بہت امید نظر آرہی ہے تو وہ انسانی حقوق کمیشن کے سخت موقف کی وجہ سے۔ ورنہ حکومت نے تو اس کی مجسٹریٹ انکوائری تک کرانے سے انکار کردیا اور انکاؤنٹر کرنے والوں کو انعام واکرام سے بھی نواز دیا تھا۔ واضح رہے کہ انکاؤنٹر کے دوران مارے گئے موہن چند شرما کو دہلی پولیس کے سخت دباؤ کے باعث مرکزی حکومت نے امسال ۲۶ر جنوری کو بہادری کا صدارتی میڈل بھی دلادیا اور یہ ظاہر کردیا کہ اگرچہ انکاؤنٹر کی مانیٹرنگ اس وقت کے مرکزی وزیر داخلہ شیوراج پاٹل پولیس ہیڈکوارٹر میں بیٹھ کر کی تھی لیکن اسے وزیر اعظم اور کانگریس کی صدر کی بھی حمایت حاصل رہی، چنانچہ اس کے خلاف کانگریس یا دیگر پارٹیوں کے لیڈروں یا مرکزی وزراء نے جو بھی آواز اٹھائی انہیں خاموش کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس معاملہ پر سماجوادی پارٹی کے لیڈر امر سنگھ کو وزیر اعظم کے جھڑکنے کی خبر بہت پہلے آچکی ہے۔ وزیر اعظم پر تو اس وقت بھی دوہرا موقف اختیار کرنے کا الزام لگایا گیا تھا جب انہوں نے ممبئی میں راہل راج کے انکاؤنٹر کے فوراً بعد ریاستی حکومت کے انکار کے باوجود زبردستی انکوائری کی ہدایت دے دی اور مسلمانوں سے تعلق ہونے کی وجہ سے بٹلہ ہاؤس کے مبینہ انکاؤنٹر کی اعلیٰ سطحی انکوائری کرانے میں ٹال مٹول کا رویہ اپناتے ہوئے آخرکار دہلی کے لیفٹیننٹ گورنر کے ذریعہ اس سے کھلا انکار بھی کردیا اور موہن چند شرما کو صدارتی میڈل دلاکر اپنی طرف سے مبینہ انکاؤنٹر کو جائز وصحیح بھی قرار دے دیا۔

مذکورہ معاملہ میں دہلی پولیس اور مرکزی حکومت کو پہلا جھٹکا اس وقت لگا جب مرکزی اطلاعات کمیشن نے دہلی بم دھماکوں کے ایک ملزم ضیاء الرحمٰن کے وکیل سینئر ایڈوکیٹ پرشانت بھوشن کی درخواست پر مرکزی اطلاعات کمیشن نے دہلی پولیس سے تمام دستاویزات طلب کر کے پوسٹ مارٹم رپورٹ فراہم کرنے کی ہدایت دے دی، جس سے اب تک دہلی پولیس انکار کررہی تھی اور اس سے اپنی انکوائری اور قانونی کارروائی متاثر ہونے کا بہانہ کررہی ہے۔ کمیشن نے پولیس کی یہ دلیل مسترد کردی کہ پوسٹ مارٹم رپورٹ عام ہونے سے تفتیش متاثر ہوگی۔

مرکزی اطلاعات کمیشن کی ہدایت سے پریشان دہلی پولیس کو دوسرا جھٹکا اس وقت لگا جب دہلی ہائی کورٹ میں بھی اس کا بہانہ نہیں چلا، وہاں بھی مجسٹریٹ انکوائری نہ کرانے کی اس کی کوششیں انسانی حقوق کمیشن کے دلائل کے سامنے ناکام نظر آرہی ہیں۔ پچھلی سماعت کے دوران کورٹ نے کمیشن سے یہ جواب طلب کیا تھا کہ لیفٹیننٹ گورنر کے ذریعہ مجسٹریٹ انکوائری سے انکار کی صورت میں وہ کیا کرے گا اور حکومت سے بھی یہ جواب طلب کیا تھا کہ اس نے مجسٹریٹ انکوائری سے انکار کیوں کیا۔ حکومت نے اپنے جواب میں اسے استثنائی کیس قرار دیتے ہوئے مجسٹریٹ انکوائری کو غیر ضروری قرار دے دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ حکومت نے اس واقعہ کو پارلیمنٹ حملہ اور ممبئی حملے میں مارے گئے عسکریت پسندوں سے تشبیہ دے دی جب کہ ان میں دور دور تک مشابہت نظر نہیں آتی۔ اس معاملہ میں کمیشن کا کہنا ہے کہ یہ انکاؤنٹر دیگر انکاؤنٹروں سے مختلف نہیں ہے اس لئے کمیشن کی رہنما ہدایات کی روشنی میں اس کی بھی مجسٹریٹ انکوائری ہونی چاہئے۔ کمیشن کا کہنا تھا کہ کسی بھی معاملہ میں آگے کی کارروائی یا جانچ کی ضرورت ہے یا نہیں یہ فیصلہ پوسٹ مارٹم رپورٹ عدالتی یا قانونی رپورٹ اور مجسٹریٹ جانچ کی رپورٹ پر کیا جاتا ہے اور مجسٹریٹ جانچ نہ ہونے پر کمیشن کورٹ کے حکم سے معاملہ کی جانچ کرتا ہے۔ دونوں فریق کے دلائل سننے کے بعد ہائی کورٹ نے جو کہا ہے یا ہدایت دی ہے اس سے حکومت اور دہلی پولیس کی پریشانی بڑھ سکتی ہے، عدالت نے دہلی پولیس کو جہاں یہ ہدایت دی ہے کہ وہ دو ہفتے کے اندر کیس کی اسٹڈی رپورٹ پیش کرے۔ وہیں مجسٹریٹ جانچ سے لیفٹیننٹ گورنر کے انکار پر سخت ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے سرکار کو اپنا رُخ واضح کرنے کو کہا ہے اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر سرکار اس کی جانچ نہیں کرتی ہے تب ہمارے پاس ایک ہی متبادل ہے اور وہ یہ کہ کمیشن کو معاملہ کی انکوائری کی اجازت دے دی تاکہ کوئی کمیشن کے اختیارات اور اصولوں کو نظر انداز نہ کرسکے۔ ان سب باتوں سے یہی پتہ چلتا ہے کہ کیس صحیح سمت آگے بڑھ رہا ہے۔ حقائق کو سامنے لانے اور انصاف میں رکاوٹ ڈالنے کی دہلی پولیس اور حکومت کی ملی بھگت ناکام نظر آرہی ہے۔ قانونی لڑائی کے سامنے دونوں نہیں ٹک سکے۔

●●

ملت کو پھر کسی سرسیدؒ کی ضرورت ہے

محمد اشرف الہدیٰ آروی، ملکی محلہ، آرہ، بھوجپور، (بہار)

◎

۲۶ر فروری ۲۰۰۹ء کے پٹنہ سے شائع ہونے والے ہندی روزنامہ ہندوستان کے پہلے صفحہ اور آخری صفحہ پر صرف جی ڈی گوئینکا ورلڈ انسٹی ٹیوٹ گڑگاؤں، دہلی کا اشتہار ہے۔ یقیناً اس ادارے نے صرف اس اخبار میں اس اشتہار پر کئی لاکھ روپیہ خرچ کئے ہوں گے۔ پورے ہندوستان میں اس ادارے نے اشتہارات شائع کرائے ہوں گے جن پر کتنے روپے خرچ ہوئے ہوں گے۔ گوئینکا گروپ نے بہت ہی معیاری ادارہ قائم کیا ہے، جس میں انڈر گریجویٹ کورس میں بی بی اے، علم اقتصادیات میں بی اے آنرس، بزنس اکنومکس میں بی اے آنرس اور بزنس کمپیوٹنگ اور انفارمیشن سسٹم کی پڑھائی کا نظم ہے اور پوسٹ گریجویٹ کورس میں ایم ایس سی مینجمنٹ، ایم ایس بی مینجمنٹ اینڈلاء اور گلوبل ایم بی اے کی تعلیم کا انتظام ہے۔ اس ادارے نے برطانیہ کی لینکیسٹر یونیورسٹی سے بھی الحاق لے لیا ہے۔ یہ ادارہ چودہ برسوں سے قائم ہے۔ اس ادارے سے پڑھ لکھ کر ہزاروں طالب علم دنیا کے بڑے بڑے کاروباری گھرانوں میں کام کررہے ہوں گے۔ اشتہار دیکھنے اور دی گئی تفصیلات کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ادارہ ہندوستان کے مایہ ناز اداروں میں سے ایک ہے۔ گوئینکا گروپ کے افراد ہی انگریزی روزنامہ انڈین ایکسپریس اور ہندی روزنامہ جن ستا کے مالکان ہیں اس کے علاوہ بھی اس گروپ کے اور بھی ادارے ہوں گے۔

آج سے تقریباً ایک ماہ پہلے علی گڑھ متھرا روڈ پر برادران وطن نے باضابطہ ایک نئی یونیورسٹی منظور کرالی ہے۔ اس یونیورسٹی کا اشتہار بھی مختلف روزناموں میں آچکا ہے۔

ہندوستان میں تقریباً سبھی کاروباری گھرانے بڑے بڑے ادارے چلا رہے ہیں، جن میں بعض تکنیکی اداروں نے Deemed University کا درجہ لے لیا ہے۔ اس میدان میں مسلم کاروباری گھرانے بہت پیچھے ہیں۔ اگر یہ کاروباری گھرانے کوئی ادارہ چلائے بھی تو مسلم ملت کو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

آج کے اس دور میں معیاری اداروں کے قیام کی بہت اہمیت ہے۔ لیکن ہم لوگوں کا حال تو بس یہ ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے قیام کے بعد ہمارے رہنماؤں کو نیند آگئی یا پھر ہم اپنی تمام ترقوتیں باہمی رسہ کشی اور جزوی اختلاف میں برباد کررہے ہیں۔ صرف بہار کی تعلیمی تحریک کا سرسری جائزہ لیں کہ چند شہروں میں کالج قائم کرنے کے بعد پوری ملت جمود کا شکار ہوگئی۔ ان کالجوں کو آگے بڑھانے کے لئے یا ان میں نئے نئے کورس کی شروعات کرانے کے لئے ملت کے پاس کوئی حکمت عملی موجود نہیں ہے۔ یہ ادارے ترقی کے منازل طے کیوں کر پارہے ہیں؟ آخر ایسا کیوں ہورہا ہے؟ کیا ہم واقعی ان اداروں کے بارے میں کچھ سوچتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ اگر ہم سب مل جل کر اور تمام اختلافات کو بھلا کر ان اداروں کے بارے میں سوچیں تو انہیں ترقی دینے اور آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

ہندوستان کے پچانوے فیصد ہندو سناتن دھرم کے ماننے والے ہیں لیکن ایک آریہ سماجی تعلیمی ادارے نے دس سال کے اندر اتنی ترقی کی ہے اور اپنا نٹ ورک اتنا وسیع کرلیا ہے جس کا مسلمان تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اب تو یہ تحریک عرب ملکوں میں بھی اپنی شاخیں قائم کررہی ہے۔ ہندوستان کے سبھی سناتن دھرمی بخوشی اپنے بچوں کو ان آریہ سماجی اسکولوں کالجوں میں داخلہ دلارہے ہیں۔ سناتم دھرمیوں نے ڈی اے وی تحریک میں شامل ہوکر اختلاف کے باوجود اتحاد کی ایک بہترین مثال پیش کی ہے۔ امت مسلمہ کو اس سے سبق لینا چاہئے۔

جب معصوم احمد کاظمی بھوجپور ضلع کے ایس پی تھے تو انہوں نے ملکی محلہ آرہ میں ایک انگلش اسکول کے افتتاحی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ آرہ شہر اور اس کے اطراف میں تو علم اور ترقی کا سورج پورے آب وتاب کے ساتھ چمکتا تھا، آج اس سورج کو گرہن کیوں لگ گیا؟ ان کے اس لہجہ میں ایک درد چھپا ہوا تھا۔ ایک فکر چھپی ہوئی تھی۔ جسے وہ اپنی تقریر میں بیان کرگئے۔ پورے ہندوستان میں امت مسلمہ کا ماضی میں چمکنے والا سورج آج گرہن کا شکار ہوگیا ہے۔

اندازہ کیجئے کہ ہر سال زکوٰۃ کی مد میں ۱۵ ہزار کروڑ روپیہ نکالنے والی اور پورے ملک میں کھربوں روپیوں کی وقف املاک رکھنے والی یہ ملت مفلسی، بے کاری بیماری میں مبتلا ہے اور دوسروں سے امداد کے لئے ہاتھ پھیلا رہی ہے۔ کیا ہم زکوٰۃ جمع کرنے اور اس کے تقسیم کے نظام کو درست نہیں کرسکتے؟ کیا ہم اپنی اوقاف جائدادوں کی بہترین دیکھ بھال اور اس کی قانونی کمزوریوں کے حل کے لئے حکومت وقت پر دباؤ نہیں ڈال سکتے؟ ہماری ملی تنظیمیں جاگ جاتی ہیں تو اپنے مطالبات منوانے کے لئے حکومت وقف کو قانون میں ترمیم کرنے کے لئے بھی آمادہ کرلیتی ہیں، کیا یہ تنظیمیں اوقاف کی جائدادوں کے سلسلے میں کوئی سخت قانون نہیں بنواسکتیں؟

آج پورے ہندوستان میں ایک اندازے کے مطابق کھربوں کی وقف جائدادیں بے مصرف اور بے کار پڑی ہوئی ہیں یا پھر غاصبوں کے قبضے میں ہیں۔ کیا کسی بڑی ملی تنظیم کی جانب سے اس ضمن میں کوئی سنجیدہ کوشش کی جارہی ہے؟ حکومتیں بنتی ہیں اور پانچ سال کی میعاد بھی پوری کرلیتی ہیں لیکن ہم اپنی حمایت سے بننے والی حکومتوں سے صرف مالی معاونت کی امید لگا کر بیٹھے رہتے ہیں یا کسی جادو کی امید پر کسی کرشمے کا انتظار کرتے رہتے ہیں ہمارے قائدین اور تنظیمیں حکومت وقت کے سامنے کوئی ٹھوس تجویز پیش نہیں کرتیں۔ حالانکہ اگر بے غرض اور بے لوث رہنما چاہیں تو حالات اب بھی بدل سکتے ہیں متحد ہوکر حکومت سے اوقاف کی جائدادوں کی حفاظت اور اس کے استعمال کے لئے سخت ترین، بہترین اور شفاف قانون بنواسکتی ہیں جس کے لئے اس کو پہنچنے والے نقصان کے لئے ہر ضلع کے ڈی ایم کو ذمہ دار ٹھہرایا جائے، پھر دیکھئے، حالات کیسے بدلتے ہیں۔ وقت اور حالات متحد ہوجانے کا تقاضا کررہے ہیں۔ یاد کیجئے اس بزرگ کی طاقتور صدا کو جب اس نے سرکاری اسکولوں میں سرسوتی وندنا پڑھے جانے کو لازم کئے جانے کی مخالفت کی تب اس وقت کی یوپی سرکار کو بلاتاخیر اپنے فیصلے کو بدلنا پڑا۔ حالات کی نزاکت کو سمجھئے، ملت کی حالت بہت ہی نازک ہوگئی ہے۔ غربت، بے کاری، بیماری، گندگی، مار پیٹ ہماری پہچان بنتی جارہی ہے۔

اپنی زبوں حالی کو دور کرنے کے لئے ہمیں اپنی فکر اور اپنی سوچ کو بدلنا ہوگا۔ ایک صاحب کو خواجہ اجمیریؒ ٹرسٹ کا چیئرمین بنایا گیا تو پریس والوں نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا جنوبی ہندوستان کی درگاہوں کی طرح آپ بھی خواجہ اجمیری ٹرسٹ کی آمدنی سے کوئی میڈیکل کالج، انجینئر کالج، کوئی ہسپتال، کوئی فلاحی ادارہ قائم کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں؟ جواب میں انہوں نے کہا تھا کہ شمالی ہندوستان میں ابھی ملت کا مزاج اس طرح کا نہیں بنا ہے، لہٰذا ٹرسٹ کی آمدنی سے کوئی بھی اور کسی طرح کا بھی ادارہ قائم کرنے کی اسکیم ہمارے زیر غور نہیں ہے۔

پٹنہ ریلوے جنکشن کے باہر واقع مہاویر مندر کا کبھی سال بھر میں ڈھائی تین ہزار کا سالانہ بجٹ ہوتا ہے جو اب کروڑوں میں پہنچ چکا ہے۔ ایک آئی پی ایس آفیسر نے اس مندر کی ترقی کے لئے خود کو وقف کردیا۔ اس مندر کی جائدادوں کی آمدنی سے وہ پھلواری شریف میں کینسر کا ہسپتال، پٹنہ میں بچوں کی بیماری کا شاندار شفاخانہ اور ان گنت فلاحی اسکیمیں چلاتے ہیں۔ ان کی قربانیوں اور ان کے ذریعہ شروع کئے گئے انسانیت نواز کاموں سے ہمارے دانشوروں کو سبق لینا چاہئے۔ انہوں نے یہ ثابت کردیا کہ اگر ایک انسان چاہے تو کیا نہیں کرسکتا۔ ضرورت ہے عزم اور ہمت کی۔ ملک میں مسلم فلاحی اداروں کی کمی نہیں ہے۔ کمی صرف اس بات کی ہے کہ ہم کسی بھی ادارے کے ساتھ تعاون کم کرتے ہیں، نقص زیادہ نکالتے ہیں۔

آج وقت اور حالات یہ تقاضا کررہے ہیں کہ ہم قلب اور ذہن میں وسعت پیدا کریں۔ مسلک، بیک ورڈ، فارورڈ، اور سیاسی وابستگی وذاتی گروہی مفادات کے نام پر لڑنے کا وقت اب نہیں رہا۔ ملک کے اور دنیا کے حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں۔ پوری دنیا ایک چھوٹے سے گاؤں میں تبدیل ہوگئی ہے۔ کسی بھی قسم کی معلومات اور مطالعہ کے لئے کسی لائبریری میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی انگلیوں کو تھوڑی سی حرکت دیجئے اور دنیا کی ہر قسم کی معلومات اپنے سامنے موجود پایئے۔ سائنسی ایجادات اور مثبت حالات کے ساتھ ساتھ دنیا کی فسادی قوتیں بھی سرگرم عمل ہیں۔ آج کچھ قوتیں ہمیں بہت سارے جزوی مسائل میں الجھا کر لڑانا چاہتی ہیں تاکہ ہم اپنی ساری قوت ردعمل پر برباد کردیں اور ملت کی معاشی، معاشرتی، سماجی، تعلیمی ترقی کے لئے کچھ سوچ ہی نہ پائیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک اخبار، ایک پندرہ روزہ میگزین کا مالک اور کچھ افراد مل کر ٹی وی پر نیا نیا چینل شروع کردیتے ہیں، لیکن بیس کروڑ کی آبادی والی امت مسلمہ آج تک اپنا کوئی نیوز ٹی وی چینل شروع نہیں کرپائی ہے۔ ٹی وی چینل اور انٹرنیٹ پر آنے والے اعتراضات اور سوالات کا جواب ہم کیسے دیں گے؟ آپ اپنے دین کی اچھائی نیک کاموں کے حکم دینے کا کام اور برے کاموں سے روکنے کا کام کس ذریعہ ابلاغ سے کریں گے؟

ضرورت ہے کہ پوری ملت اسلامیہ تمام اندرونی اختلافات کو بھلا کر متحد ہوجائے اور پوری دنیا کو علم کی روشنی سے آراستہ کرانے کے لئے نئی اور تیز گام اسکیمیں اور پروگرام مرتب کرے۔

●●

قیدیوں کے تبادلہ پر اسرائیل اور حماس مذاکرات بے نتیجہ

قاہرہ- قاہرہ میں اسرائیل اور حماس کے درمیان قیدیوں کے تبادلے سے متعلق بات چیت کسی نتیجہ کے بغیر ختم ہوگئی ہے اور فریقین کے درمیان ایک اسرائیلی فوجی کے بدلے میں فلسطینی قیدیوں کی رہائی سے متعلق کوئی سمجھوتہ طے نہیں پاسکا۔ حماس اسرائیلی فوجی کی رہائی کے بدلے اسرائیلی جیلوں میں قید سیکڑوں فلسطینیوں کو رہا کرنے کا مطالبہ کرتی رہی ہے جب کہ اسرائیل نے یہ اعلان کررکھا ہے کہ وہ حماس کی قید میں اپنے فوجی گیلا وشالیت کی رہائی تک غزہ کا محاصرہ ختم نہیں کرے گا۔ اسرائیلی فوج کی جانب سے غزہ بارڈر کراسنگ کی مسلسل ناکہ بندی اور جنوری میں اسرائیلی حملوں سے غزہ میں ہونے والی تباہی کے بعد ضروری تعمیراتی سامان اور دوسری اشیاء مہیا نہ ہونے کی وجہ سے تعمیر نو کا کام شروع نہیں ہوسکا ہے۔ اسرائیلی وزیر اعظم ایہود والمرٹ نے حماس پر الزام عائد کیا ہے کہ اس نے قاہرہ مذاکرات میں سخت موقف اختیار کئے رکھا جس کی وجہ سے بات چیت ناکام ہوئی ہے۔

اب کناڈا میں بش پر جوتے پھینکے گئے

اوٹاوا- ایسا لگتا ہے کہ امریکہ کے سابق صدر جارج ڈبلیو بش کا جوتا پیچھا نہیں چھوڑ رہا ہے۔ امریکی سابق صدر جب مغربی کناڈا میں تقریر کررہے تھے تو اس وقت کچھ افراد نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے ان پر جوتا پھینکا۔ اس الزام میں تین کناڈایائی اور ایک دیگر کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ کناڈیائی اب اتحاد کے کولیٹ کیمکس نے کہا کہ کنیڈین نے یہ جوتا بش پر نہیں بلکہ کیلگیری اجلاس سینٹر کے باہر بش کے پتلے پر پھینکا۔ اس سینٹر میں بش تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد کے سامنے تقریر کررہے تھے۔

انہوں نے فون پر بتایا کہ پورے ملک سے دو ہزار سے زائد مظاہرین جمع ہوگئے۔ وہ عراق میں بش کے حملے کے خلاف احتجاج کررہے تھے۔

فکر معاصر

تیسرا دردِ سر

ملک کی سیاست میں چاردن کی چاندنی کے طور پر بدنام تیسرے محاذ کا قیام پھر سے عمل میں آ گیا ہے۔ لوک سبھا انتخابات سے عین قبل رائے دہندگان کو متبادل پیش کرنے کا دعویٰ کرتے ہوئے اس محاذ نے ملک کو ایک ایسی حکومت دینے کا وعدہ کیا ہے جو نہ صرف جمہوریت اور سیکولرزم کی پاسداری کرے گی بلکہ سماج کے دبے کچلے طبقات کو انصاف دلانے کے لئے بھی جدوجہد کرے گی۔ تیسرے محاذ کے اس نئے ایڈیشن میں بائیں بازو کی پارٹیوں کے علاوہ چھ دیگر علاقائی پارٹیوں نے بھی اپنے نام درج کرائے ہیں۔ حالانکہ ابھی یہ طے نہیں ہے کہ اس تیسرے محاذ کا سیاسی مستقبل کیا ہوگا، لیکن اس کے باوجود لوک سبھا انتخابات سے عین قبل تیسرے محاذ کا قیام سوالات کا جواب دینے کے بجائے بہت سے سوالات کھڑے کرتا ہے۔ اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ تیسرے محاذ کی سیاسی تاریخ نہ صرف ڈرامائی رہی ہے بلکہ یہ انتہائی مضحکہ خیز بھی ہے۔ تیسرے محاذ کا المیہ یہ بھی ہے کہ اس میں جتنی بھی پارٹیاں شامل ہوتی ہیں ان پارٹیوں کے سپریمو خود کو وزارت عظمیٰ کے عہدہ کا دعویدار سمجھتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ تیسرے محاذ کے اعلان کے وقت بہوجن سماج پارٹی اور اے ڈی ایم کے پارٹی کی سپریمو نے خود اس میں شامل ہونے کے بجائے اپنے نمائندوں کو بھیجا۔ مایاوتی نے یہ صاف کردیا کہ انہیں وزارت عظمیٰ کی امیدوار کے طور پر پیش کیا جائے بصورت دیگر انہیں تیسرے محاذ میں شامل نہ سمجھا جائے۔ اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تیسرا محاذ کس طرح کوئی سیاسی متبادل ہونے کے بجائے شکست خوردہ یا پھر الگ تھلگ پڑے سیاسی لیڈروں کی ہوس اقتدار کا ایک نیا مرکز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تیسرے محاذ کی عمارت منہدم ہونے کے لئے تیار ہوتی ہے اور منہدم ہونے کے بعد پھر سے یہ عمارت قائم کی جاتی ہے تاکہ اسے دوبارہ منہدم کیا جاسکے۔ ورنہ ہمیشہ سوسیٹوں کے دائرے میں اپنا وجود رکھنے والا تیسرا محاذ الیکشن سے قبل کیوں رائے دہندگان کے سامنے خود کو تیسرے متبادل کے طور پر پیش کرتا ہے۔ جب تیسرے محاذ کے پاس تیسرا متبادل بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے تو یہ محاذ کیوں ہر الیکشن سے قبل عوام کے لئے معمہ بن جاتا ہے۔ اس میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کہ ملک میں تیسرے متبادل کے تجربے کی گنجائش موجود ہے۔ کانگریس اور بی جے پی کی حکومتوں نے مختلف محاذوں پر ملک اور عوام کو مایوس بھی کیا ہے۔ اگر کوئی ان دونوں پارٹیوں کی قیادت والے اتحادوں کا متبادل پیش کرتا ہے تو عوام اسے تسلیم کرسکتے ہیں۔ لیکن بنیادی سوال یہ ہے کہ تیسرے محاذ میں کیا خاص بات ہے کہ وہ دیگر اتحاد سے مختلف ہے؟ بائیں پارٹیوں کی جمہوریت اور سیکولرزم کے تئیں وفاداری غیر متزلزل رہی ہے۔ یہ پارٹیاں اپنے اصولوں سے بھی سمجھوتے میں دیگر پارٹیوں کے مقابلے بہتر حالت میں ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ جو بھی پارٹیاں آگے آئی ہیں وہ سب کی سب وہ پارٹیاں ہیں جن کی وفاداری اقتدار میں حصہ تک محدود رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چندر بابو نائیڈو، جے للتا، مایاوتی اور دیوے گوڑا ایسے لیڈران ہیں جنہوں نے بی جے پی کی قیادت والے اتحاد میں اقتدار کا مزہ چکھ رکھا ہے۔ ان لیڈروں کا بائیں بازو کی پارٹیوں کے ساتھ تیسرے محاذ کے نام پر پھر سے اکٹھا ہونا اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے کہ یہ لیڈران انتخابات کے نتائج کا اعلان ہوتے ہی پھر سے اپنے اپنے فائدے کی جگہ میں جاگھسیں گے۔ اس طرح پھر سے تیسرے محاذ کی عمارت لڑکھڑا کر گر جائے گی۔ کسی جمہوری ملک میں نیا سیاسی تجربہ غلط نہیں ہے۔ تیسرا محاذ اگر واقعی سنجیدہ ہے تو اسے اپنی مستقل پالیسی طے کرنی چاہئے۔ علاقائی پارٹیوں کا تیسرے محاذ کی شکل میں وجود اگر ملک کو سیاسی متبادل دے سکتا ہے تو یہ اچھی بات ہے لیکن جو لوگ ان پارٹیوں کی حقیقت اور اس کے طرز عمل کو جانتے ہیں انہیں اندازہ ہے کہ تیسرا محاذ ملک کو سیاسی متبادل تو کیا تیس دن کا مضبوط اتحاد بھی نہیں دے سکتا۔ اس لئے یہ تیسرا محاذ سیاسی پنڈتوں کے لئے لطیفہ، ملک کے عوام کے لئے تیسرا دردسر اور خود اس میں شامل علاقائی پارٹیوں کے لئے چاردن کی چاندنی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

(جدید خبر، نئی دہلی)

عالمی بحران سے صرف اسلامی مالیاتی نظام محفوظ

ماہ ستمبر ۲۰۰۸ء سے ساری دنیا مالیاتی اور معاشی بحران سے دوچار ہے مغربی دنیا کی ساری معیشت درہم برہم اور سارا مالیاتی نظام منہدم ہوکر رہ گیا ہے، انسانیت کی تاریخ کا یہ ایک بہت بڑا اور انتہائی عبرت ناک واقعہ ہے چارسو سال سے زیادہ مدت سے دنیا پر مغربی دنیا کا غلبہ تھا چارسو سال پہلے کی ساری دنیا کی ترقی خاص کر سائنس وٹکنالوجی اور علوم وفنون کی ترقی اسلام کے توسط سے مسلمانوں کی دین تھی۔ مغربی دنیا کو یہ عظیم ترقی ورثہ میں حاصل ہوئی لیکن مغربی دنیا مادی ترقی کے پیچھے ہی دوڑتی رہی۔ مسلمانوں نے سیاست اور معیشت کے شعبوں میں اخلاقی اقدار انصاف، سچائی اور انسان دوستی اور اس طرح خیر اور تعمیر کے پہلوؤں کو بنیاد بنانے کی تعلیم دی تھی لیکن مغربی دنیا نے تعمیر کی بجائے تخریب اور خیر کو چھوڑ کر شر، اخلاقی اقدار کی بجائے اخلاقی گراوٹ، انصاف کی بجائے استحصال، جبر وزیادتی، سچائی کی بجائے دروغ، فریب، دھوکہ دہی اور انسان دوستی کی بجائے منافرت پسند، ہوس، لالچ، ناجائز نفع خوری اور دوسروں کا حق اور حصہ غصب کرنے کی روش اختیار کی۔ مغربی دنیا کی برتری کے دور کے اس مرحلے میں جب کہ سائنس اور ٹکنالوجی کے ارتقاء کے نتیجے میں دنیا کے سکڑنے اور تجارت اور معیشت کے میدانوں میں ایک دوسرے پر انحصار کا دور شروع ہوا جو آج کے دور کی اصطلاح گلوبلائزیشن (عالمیت) ہی کی ابتدائی کڑیوں سے تعلق رکھتا ہے تو امریکہ نے اپنے قدرتی اور مادی وسائل اور بقیہ دنیا کی مجبوریوں اور محرومیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ساری دنیا کے وہ معاشی اور مالیاتی نظام پر غلبہ حاصل کرلیا۔

۲۰ویں صدی کے بڑے حصے اور ۲۱ویں کے آغاز کے بعد بھی امریکہ کا یہ غلبہ برقرار رہا۔ ماہرین معاشیات ومالیات کے بیان کے مطابق یہ امریکہ ہی تھا جو چھ دہائیوں سے زیادہ مدت تک عالمی مالیاتی (فینانشیل) سسٹم کو اپنی مرضی اور منشاء دوسرے الفاظ میں اپنے فائدے اپنے ہوس اور زیادہ سے زیادہ نفع خوری کی اپنی ذہنیت کی بنیاد پر تشکیل دیتا رہا دوسرے ملکوں کو دھمکیاں دے کر اپنا الو سیدھا کرتا رہا۔ دوسری عالمگیر جنگ اور جرمنی کے خاتمے اور زوال کے بعد سلطنت برطانیہ کا سورج بھی غروب ہوگیا۔ سوویت یونین کو فوجی نیوکلیائی اور خلائی طاقت کی حیثیت سے امریکہ کے متوازی عظیم طاقت کی حیثیت ضرور حاصل رہی لیکن معاشی اور مالیاتی اعتبار سے امریکہ جتنا مستحکم اور طاقتور تھا سوویت یونین اتنا ہی کھوکھلا اور ناپائیدار تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سوویت یونین بھی بکھر رہ گیا۔ دوسری طرف امریکہ کی ساہوکاری مادی ترقی اور مالیاتی ومعاشی و برتری اور تسلط میں اور بھی اضافہ ہوتا رہا لیکن رفتہ رفتہ دوسرے ملکوں کی ترقی کی رفتار تیز ہوتی گئی۔ جنگ زدہ یوروپی ملکوں نے اپنے آپ کو معاشی اور مالیاتی طاقت کی حیثیت سے ابھارنا شروع کیا۔ حیرت انگیز طور پر ایشیا کے پسماندہ ملکوں کی جیت نے انہیں ترقی کی بلندیوں پر پہنچانا شروع کیا۔ چین سب سے بڑا ایشین لائین (شیر ببر) بن کر ابھرا۔ دوسرے ایشیائی ملکوں، جاپان جنوبی کوریا تائیوان، ہندوستان حتی کہ ہانگ کانگ ملیشیا اور سنگاپور کی ترقی بھی حیرت انگیز رہی اور مغربی خاص کر امریکی مالیاتی ومعاشی نظام کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود ان ملکوں کی ترقی اور معاشی ومالیاتی استحکام کی دوڑ رکاوٹوں کے باوجود جاری رہی۔

امریکہ کو متوازی اور دوسری طاقتوں کے اس طرح ابھرنے کی وجہ سے غیر معمولی دھکا پہنچا۔ عرب ملکوں اور بعض مسلم ملکوں کے سیاسی عدم استحکام اور دیگر تاریخی اور نفسیاتی وجود کی وجہ سے امریکہ نے سب سے زیادہ ان ملکوں کا ہی استحصال کیا۔ ان ملکوں کے قدرتی وسائل خاص کر تیل کی دولت اور مرفع الحال سے سب سے زیادہ فائدہ امریکہ کو پہنچا۔ دوسرے مغربی ملکوں نے بھی امریکہ کے اس شکار کے بچے کھچے حصوں کو آپس میں بانٹ لیا۔ اس کے باوجود ان ملکوں کی ترقی، خوشحالی اور دولت مندی رشک بنتی گئی۔ امریکہ نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ طاقت کے بل پر اور جنگ مسلط کر کے ان ملکوں کو بدستور اپنی گرفت میں رکھنے کی کوششوں کا آغاز کردیا جس کی وجہ سے اس کے عالمی اور معاشی وسائل سکڑتے چلے گئے اور سکڑن کا یہ عمل اب تک جاری ہے۔ اس سارے تناظر میں دیگر عالمی معاشی اور مالیاتی بحران کا جائزہ لیا جائے تو یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ اس آندھی اور طوفان سے محفوظ اسلامی مالیاتی ومعاشی نظام رہا۔ جہاں امریکہ جیسے سپر پاور کے ساتھ اس کے دوسرے ساجھے دار اور "چالیس چوروں" کے ٹولے میں شامل دوسرے ملک معاشی ومالیاتی تموج اور سونامی کی وجہ سے ڈوبتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ اسلامی معاشی ومالیاتی نظام سے پوری طرح نہ سہی بہرحال منسلک اور وابستہ ہونے کی وجہ سے محفوظ چھوٹے چھوٹے جزیروں کی شکل میں محفوظ رہے۔

روس جیسا ملک بھی امریکہ اور برطانیہ کی طرح بلکہ اور بھی زیادہ ہولناک انداز میں تباہ وبرباد ہوجاتا لیکن سوویت یونین کا وارث ہونے اور امریکی مالیاتی اور معاشی نظام سے کئی دہائیوں تک الگ رہنے کی وجہ سے بچ گیا لیکن روس بھی چونکہ تجارتی اور معاشی رشتوں میں مغربی دنیا سے بندھا ہوا تھا اور حالیہ برسوں میں اس کی ترقی اور معاشی بازیافت کا عمل جاری تھا اس لئے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس بحران نے روس کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چین ہی وہ ملک ہے جو مستقبل میں معاشی ومالیاتی سوپر پاور کی حیثیت سے ابھر رہا ہے لیکن اس کی تجارت اور لین دین زیادہ تر امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں سے رہا ہے اس لئے چین کی تاریخ ساز ترقی کی عمارت بھی جزوی طور پر منہدم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ چین کے ۷۰ فیصد بیرونی اثاثہ جات حکومت امریکہ اور امریکہ کی دوسری مختلف ایجنسیوں کو جاری کردہ قرضوں، تمسکات بانڈز وغیرہ کی شکل میں ہیں امریکہ کا بال بال چین کا مقروض ہے اور چین کو واجب الادا رقومات اربوں نہیں بلکہ کھربوں (ٹریلین) ڈالر کی ہیں چین میں بھی فی الفور چار کروڑ سے زائد روزگار کے مواقع کم ہوگئے ہیں۔

اسلامی مالیاتی ومعاشی نظام کے غیر متاثر رہنے یا کم سے کم متاثر ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے سود کو لعنت اور حرام قرار دیا۔ اس کے علاوہ اسلام گناہ کبیرہ کے انداز کی ناجائز نفع خوری قیاسی تجارت سٹہ بازی اماموں (ڈیپازٹس) کی الٹ پھیر کی بھی اجازت نہیں دیتا اس لئے ساری دنیا جہاں عالمی معاشی ومالیاتی نظام کی بھڑکتی اور پھیلتی عالمی آگ سے جھلس گئی ہے عرب ملکوں اور مسلم ملکوں کا حال یہ ہے کہ مغربی طاقتیں کاسہ گدائی لئے ان ملکوں سے رجوع ہورہی ہیں اور اس مقصد کے لئے برطانیہ کے وزیر اعظم ڈیوڈ براؤن کو امریکہ اور دوسرے عرب ملکوں کا دورہ کر کے دست سوال دراز کرنا پڑا ہے کہ سعودی عرب قطر متحدہ عمارات اور دوسرے خوشحال اور مالدار عرب ملکوں کی طرف سے مغربی دنیا کو اس مالیاتی دلدل سے نکالنے کے لئے ہزاروں بلین ڈالر امداد قرضوں اور سرمایہ کاری میں مشغول کئے جائیں۔

ساری دنیا کے مالیاتی ومعاشی نظام کی مجموعی مقدار زر کا صرف دو فیصد حصہ اسلامی مالیاتی نظام کی مجموعی مقدار زر کا ہے۔ اس اسلامی نظام کے مالی اثاثہ جات تین سو بلین ڈالر کے ہیں اور اس نظام سے وابستہ ۳۰۰ ادارے ۷۵ ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں ان میں ہر سال ۱۵ تا ۲۰ فیصد کا اضافہ ہورہا ہے اگر تمام مسلم ملکوں کے علاوہ ساری دنیا کی آبادی میں ہر پانچ میں سے ایک مسلمان ۲۰ فیصد اگر اسلامی مالیاتی ومعاشی نظام سے اپنے آپ کو جوڑنا شروع کردیں تو پھر ساری دنیا کو اس نظام سے فیض یاب ہونے کے لئے رجوع ہونا پڑے گا خواہ وہ زبان سے اس کا اقرار کریں یا نہ کریں سرمایہ دارانہ معاشی ومالیاتی نظام ختم ہوچکا ہے۔ کیمونیزم اور سوشلزم کو بھی چونکہ اپنے معاشی ومالیاتی نظام کے محدود دائرہ عمل سے باہر آنا پڑا ہے اس لئے سب اسلامی نظام ہی ساری دنیا کے لئے روشنی کا مینار اور معاشی ومالیاتی طاقت کا سرچشمہ ہے۔ (الفیصل، حیدرآباد)

●●

قیدیوں کے حقوق کا اسلامی تصور

محمد الیاس ندوی بھٹکلی

بحراوقیانوس کے جنوب میں جزائر غرب الہند میں سب سے بڑا ۴۴۲۱۸ مربع میل کیوبا کا جزیرہ ہے جو اب ایک مستقل آزاد ملک ہے۔ پہلے اس پر امریکہ کا قبضہ تھا۔ مشہور انقلابی وسوشلسٹ رہنما فیڈرل کاسٹرو کا اسی ملک سے تعلق ہے جنھوں نے عالمی سطح پر امریکہ کو سب سے زیادہ چیلنج کیا ہے۔ اس کیوبا کے جنوب مشرقی ساحل پر موجود ایک جزیرہ گوانتانامو پر آج بھی امریکہ کا بدستور قبضہ ہے اس کا وہ کیوبا کو سالانہ کرایہ ادا کرتا ہے اور وہاں اس نے اپنے مختلف فوجی کیمپ قائم کر رکھے ہیں۔

اس میں ایکسرے کیمپ دنیا کا وہ مشہور قید خانہ ہے جہاں دنیا بھر سے امریکہ کے دشمن قیدیوں کو رکھا جاتا ہے۔ اسی جزیرے میں ایک نیا کیمپ، کیمپ ڈیلٹا کے نام سے ہے جہاں خصوصی طور پر طالبان اور القاعدہ کے مسلمانوں کو ۲۰۰۱ء سے رکھا جارہا ہے۔ اس کیمپ کی اہمیت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سیکورٹی کے اعتبار سے یہ دنیا کا سب سے محفوظ قید خانہ تصور کیا جاتا ہے جس کی حفاظتی اعتبار سے محفوظ تعمیر پر ۳۶ ارب روپے خرچ کئے گئے ہیں۔ وہاں اس وقت قید مسلمان چھوٹے کنٹینروں میں رکھے گئے ہیں جو عام طور پر گوداموں میں خورد ونوش کے سامنے رکھنے کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ ان کو ہفتے میں اس میں سے صرف دوبارہ وہ بھی پندرہ منٹ کے لئے باہر نکالا جاتا ہے۔ کئی برسوں سے ان کو دھوپ اور سورج کا نظارہ میسر نہیں ہوسکا ہے۔ زیادہ تر افغانستان سے لائے جانے والے ان مسلم قیدیوں میں ۸۰ سال کے بوڑھے بھی ہیں جو گرفتاری سے پہلے ہی لاٹھی کے سہارے چلتے تھے اور سولہ سال کے وہ نوعمر بھی جن کی صبح وشام اپنے گاؤں کی گلیوں میں بلے ڈنڈوں کے ساتھ کھیلتے گزرتی تھی۔

آج وہ ان ہی سیاہ کوٹھریوں میں جوانی میں داخل ہوکر تیئس چوبیس سال کے ہوچکے ہیں۔ جب ان کو ان کے گاؤں سے گرفتار کرلیا گیا تھا تو ان کو بھیڑ بکریوں کو لادنے والے ایسے بند ٹرکوں میں ٹھونسا گیا تھا جس میں ہوا کے داخل ہونے کے لئے چھوٹا سوراخ بھی نہیں تھا۔ ایک کے اوپر ایک قیدیوں کو اس طرح اس میں پھینکا گیا تھا کہ کسی کے لئے کھڑا ہونا تو درکنار سر اٹھانا بھی مشکل تھا۔ آنکھوں پر پٹیوں نے اور ہاتھ پیر میں زنجیروں نے ان کا حال بے حال کردیا تھا۔

پیاس سے تڑپ تڑپ کے ان کے منھ سے نکلنے والی آہ وکراہ کو سننے والا کوئی نہیں تھا۔ بالآخر ان قیدیوں نے انسانی جسموں سے نکلنے والے اس میں موجود قیدیوں کے پسینوں کو چوسنا شروع کیا، بالآخر جب ان ٹرکوں کے دروازوں کو فوجی اڈہ میں لاکر کھولا گیا تو ظالم امریکی فوجیوں کو اس بات پر کوئی حیرت نہیں تھی کہ چند گھنٹوں قبل جب اس ٹرک میں ان مظلوموں کو ٹھونسا گیا تھا تو اس میں سب زندہ تھے لیکن جب باہر نکالا جارہا تھا تو اس میں گرمی و پیاس سے تڑپ تڑپ کر جام شہادت نوش کرنے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی اور وہ لاشوں کی شکل میں باہر گھسیٹے جارہے تھے، جو زندہ تھے اسی حالت میں ان کو فوری کارگو جہاز میں سوار کیا گیا اور اٹھارہ گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد ان کو کیوبا کے گوانتانامو جزیرے میں اتارا گیا اور فوری گنتی کے بعد ان کو لوہے کے تپتے ہوئے چھوٹے چھوٹے سیل میں اس طرح بند کیا گیا کہ جانوروں اور درندوں کو بھی ان پر رحم آ گیا، تب سے لے کر آج تک بیس مختلف ممالک سے لائے گئے یہ قیدی اسی حالت پر مسلسل سات سال سے اپنی اس ناگفتہ بہ حالت پر موت کی دعا کرتے ہوئے زندگی گزار رہے ہیں، نہ ان کی فریاد رسی ہورہی ہے اور نہ مقدمے چل رہے ہیں، نہ اپنے گھر والوں سے رابطے کی ان کو اجازت ہے نہ صاف ہوا میں نکل کر سانس لینے کی، لیکن حقوق انسانی کے عالمی چیمپین اور نام نہاد علمبردار امریکہ کے حق میں ان مظلومین کی آہیں اپنا اثر تیزی سے دکھا رہی ہیں اور عالمی سطح پر پچھلے چھ سات برس سے جس تیزی سے امریکہ کا گراف نیچے آرہا ہے وہ گزشتہ چالیس پچاس سال میں نظر نہیں آیا ہے اور عالمی سطح پر امریکہ کی فلک بوس عالمی دھاک بڑی تیزی سے زمین بوس ہوتے ہوئے پوری دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ:

اسلامی تاریخ کا نہیں بلکہ پوری انسانی تاریخ کا فیصلہ کن معرکہ غزوۂ بدر، ایک طرف ۳۱۳ وہ بندگانِ خدا جن سے افضل اس روئے زمین پر انبیاء کے بعد کوئی نہیں، جن کے وجود پر قیامت تک فیصلۂ خداوندی کے مطابق اسلام کی بقا کا انحصار، جن میں شریک مجاہدین کی سرفروشیوں کا دنیا کی کسی بڑی سے بڑی قربانیوں سے مقابلہ نہیں، کفن سرے باندھے ان صادقین وصدیقین کے پاس جنگی سامان نہ ہونے کے برابر، پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ، ایک ایک اونٹ پر چار چار آدمی، دوسری طرف انسانی تاریخ کا وہ مجمع جو مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس روئے زمین پر سے اسلام ہی کا نام ونشان مٹانے کے درپے ہوکر اپنی بھرپور طاقت وقوت کو مجتمع کرکے اس عزم کے ساتھ میدان میں اترا ہے کہ ابھی نہیں تو کبھی نہیں، ہر شخص مسلح اور زرہ پوش، تعداد بھی تین گنا زیادہ، تقریباً تمام رؤسائے قریش شریک، ہر روز دس دس اونٹ ذبح کئے جارہے ہیں۔

انسانی عقل کہتی ہے کہ ان کی شکست مشکل ہی نہیں ناممکن اور ان کے مدمقابل داعیان حق کی فتح کا دور دور تک امکان نہیں، لیکن انسانی عقل، قیاس ووسائل اور امکانات ایک طرف، قدرت خداوندی کا فیصلہ دوسری طرف، سرفروشان اسلام فتح یاب اور رفقائے ابلیس لعین شکست سے دوچار، مسلمانوں میں صرف چودہ خوش نصیبوں کی شہادت اور دشمنوں میں ستر کی ہلاکت اور اتنے ہی لوگوں کی گرفتاری، دنیا انگشت بدنداں اور عقل حیران، عتبہ، شیبہ، ابوجہل، زمعہ، عاص بن ہشام اور امیہ بن خلف سب رؤسائے قریش جہنم رسید۔ اب مرحلہ گرفتار شدگان کے متعلق مشورہ کا کہ ان کے ساتھ کس طرح کا معاملہ کیا جائے۔ ان قیدیوں میں چچا عباسؓ اور چچازاد بھائی عقیل اور داماد ابوالعاص بھی، کسی کے ساتھ خصوصی رعایت کا معاملہ نہیں۔ جو سلوک ہوگا سب کے لئے یکساں ہوگا۔ حسب توقع صدیق اکبر کی طرف سے یہ رائے کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، فاروق اعظم کا یہ خیال کہ ان قیدیوں کے زندہ رہنے پر بدر سے بڑے معرکہ کا دوبارہ امکان اور خطرہ ہے اس لئے ان سب کا کام تمام کردیا جائے اور قریبی رشتے دار ہی اپنے ہاتھ سے ان قیدیوں کا سرقلم کریں۔ بالآخر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ کہ فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا جائے اور جن کے پاس اس کی گنجائش نہیں ان کو ایسے ہی رہا کردیا جائے۔

البتہ ان میں جو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں وہ دس دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ زید بن ثابت نے جو پہلے سے لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اسی سے فائدہ اٹھا کر کاتبین وحی میں اپنا نام درج کرانے کی سعادت حاصل کی۔ مطلب مخزومی ایسے ہی رہا ہوئے نہ فدیہ دیا اور نہ لکھنا پڑھنا سکھایا۔ ابن خطاب نے جب دیکھا کہ ان اسیران کے ساتھ نرمی کا معاملہ ہو رہا ہے تو ہمت کر کے دربار نبوت میں حاضر ہوکر یہ کہنے کی جرأت کی کہ ان قیدیوں میں سہیل بن عمرو بڑا فصیح اللسان ہے۔ اس کی تقریر وخطابت سے اہل اسلام کو بڑی ذہنی اذیت پہنچی ہے۔ کیوں نہ ہم اس کے نیچے کے دو دانت اکھاڑ دیں۔ جواب ملتا ہے عمرؓ اگر میں ایسا کرنے کی اجازت دوں گا تو اللہ رب العزت اس کے بدلے میرے اعضاء بگاڑ دے گا۔ مسلمانوں میں منادی کردی جاتی ہے کہ جس کے پاس جو قیدی ہے وہ اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے، اس کا اثر یہ ہوا کہ مصعب بن عمیر کے بھائی ابوعزیر قیدی تھے بعد میں گواہی دینے لگے میرے انصاری بھائی جن کے پاس میں قید تھا خود بھوکے رہ کر مجھے اصرار سے روٹی کھلاتے، رات کو ایک قیدی کے کراہنے کی آواز آئی نبی رحمت بے چین ہوگئے۔ معلوم ہوا کسی نے اسے باندھ رکھا ہے جب تک اس کی گرہ نہیں کھولی گئی، آپ کو نیند نہیں آئی، قیدیوں کو کمرے میں بند نہیں کیا گیا بلکہ خطۂ ارضی کی سب سے بابرکت ومقدس زمین کا شانۂ نبوت سے متصل مسجد نبویؐ میں رکھا گیا۔ ایک دفعہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی کہ قیدیوں کو دھوپ میں رکھا گیا ہے حکم دیا کہ ان کو لیٹنے دو تاکہ راحت ملے، ہر ایک کو کپڑے پہنائے گئے، چچا عباس دراز قد تھے کسی کا کرتا ان کے لئے برابر نہیں ہورہا تھا بالآخر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سے لے کر ان کو پہنایا گیا اور اس احسان کا بدلہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی نماز جنازہ کی صورت میں ادا کرنے کی کوشش کی گئی۔

●●

سیاست مجرموں کی آخری پناہ گاہ

عارف عزیز (بھوپال)

سیاست میں مجرمانہ عناصر کا عمل دخل کافی پرانا ہے اور اس پر قابو پانے کے لئے غور وفکر بھی دس پندرہ سال سے جاری ہے لیکن اصلاح کی کوئی واضح شکل اب تک سامنے نہیں آئی۔ ووہرا کمیٹی کی طرف سے سیاست کو جرم سے نجات دلانے کے لئے جو سفارشات مرتب کی گئیں تھیں اور جن سے سیاست کی آلودگی کو دور کرنے میں مدد مل سکتی تھی ان کو بھی ٹھنڈے بستے میں باندھ دیا گیا، اصولی طور پر تو ہر سیاسی پارٹی سیاست میں جرائم کی آمیزش کے خلاف آواز اٹھاتی ہے لیکن اس کا نشانہ دوسرے ہوتے ہیں، اپنی تنظیم کی صفوں میں نظر ڈالنے کی ضرورت کوئی محسوس نہیں کرتا، اسی لئے مجرمانہ ریکارڈ والے عناصر کا سیاست میں اثر ونفوذ بڑھتا جارہا ہے، سابق صدر جمہوریہ کے آر نارائنن نے جنوری ۲۰۰۱ء میں الیکشن کمیشن کی گولڈن جوبلی تقریب میں سیاست کے اس گرتے معیار پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے زور دیا تھا کہ الیکشن میں سرمایہ اور بازو کی طاقت پر روک لگنا چاہئے لیکن سیاست دانوں کے سوئے ہوئے ضمیر بیدار نہیں ہوئے، اس کے بعد لاکمیشن آف انڈیا کے مشورے سے کمران کو بھی طاق نسیاں پر رکھ دیا گیا۔

سیاست سے جرائم کا رشتہ کافی پرانا ہے کسی نے بہت پہلے کہا تھا کہ "سیاست مجرموں کی آخری پناہ گاہ ہے" اس وقت اس جملے پر کافی ناک بھنویں چڑھائی گئیں تھیں لیکن آج ذہنی طور پر اس سچائی کو قبول کرلیا گیا ہے۔ مسئلہ اپنے اور پرائے میں الجھ گیا پچھلی این ڈی اے حکومت میں جو وزیر مجرمانہ معاملوں میں ملوث تھے وہ اپوزیشن کانگریس اور دوسری حزب اختلافات کی جماعتوں کے نشانے پر تھے، بعد میں چونکہ حکومت تبدیل ہوگئی ہے، این ڈی اے کی جگہ یو پی اے حکمراں ہے تو اس کے مجرمانہ پس منظر رکھنے والے وزیر نشانہ بنتے رہے ہیں۔ این ڈی اے کی یہ مجبوری رہی کہ اس کے پاس کوئی دوسرا موضوع نہیں تھا۔ وہ موجودہ حکومت پر حملہ کرنے کے لئے مجرمانہ معاملوں میں ماخوذ وزیروں کو نشانہ بنا رہا تھا یہ وزیر حکومت کی حلیف پارٹی آر جے ڈی سے تعلق رکھتے تھے۔

آج جو حکومت میں ہیں کل اپوزیشن میں بیٹھے اس وقت انہوں نے بھی ایسے داغی عناصر کے خلاف شور وغل مچایا تھا، لال کرشن آڈوانی، مرلی منوہر جوشی اور اوما بھارتی اس زمرے میں شامل تھے بعد میں جارج فرنانڈیز پر بھی تہلکہ معاملے میں ملوث ہوگئے۔ اوّل الذکر تینوں کے خلاف مقدمے چل رہے تھے جو آج بھی جاری ہیں۔ کانگریس کا عذر یہ سامنے آیا کہ اس وقت ان کی مدافعت کرنے والی بی جے پی کو موجودہ وزراء کے خلاف انگلی اٹھانے کا اخلاقی حق نہیں ہے۔ جب کہ بی جے پی کی نظر میں موجودہ وزیروں کے خلاف عائد الزامات زیادہ سنگین ہیں کیونکہ اس میں بدعنوانی بھی شامل ہے لیکن سوال یہ ہے کہ بابری مسجد کو شہید کرنے کی سازش کو کم کرکے کیسے دیکھا جاسکتا ہے؟

بہرحال ہمارے نشان زدہ تمہارے نشان زدہ سے زیادہ اچھے ہیں کی اس بحث میں جمہوری اصول وروایات کو طاق پر رکھ دیا گیا، مسئلہ یہ نہیں کہ کون کس سے بڑا ملزم ومجرم ہے؟ بلکہ موضوع بحث پہلو یہ ہے کہ ایسے عناصر کو وزیر بنانا کیا ضروری تھا، مخلوط حکومتوں کی اپنی مجبوری ہوتی ہے، قانون کا کہنا بھی یہ ہے کہ جب تک جرم ثابت نہ ہوجائے کسی کو مجرم نہیں گردانا جائے لیکن کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ قانون کی اسی روح کا فائدہ اٹھا کر نہ جانے کتنے مجرم آج سیاست کی رونق بڑھا رہے ہیں؟

یہ بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ ہندوستان کی سیاست میں اپنے دامن کے داغ دھبوں پر نظر ڈالنے کی روایت نہیں اور نہ ہی کسی کو اس کی فکر ہے۔ اس سے زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ کوئی ایسا قانون بھی موجود نہیں جس کے تحت سنگین مجرموں پر الیکشن لڑنے کے لئے پابندی عائد ہو۔ ہمارے ووٹروں کا یہ حال ہے کہ ان کی نظر میں مجرم وغیر مجرم سیاست داں برابر ہیں۔ اسی طرح فرقہ پرستی پھیلانے والوں کو بھی وہ سزا نہیں ملتی جن کے وہ مستحق ہیں۔ اس کا علاج تلاش کرنے کے بجائے قانون ساز اداروں میں ہنگامہ آرائی کرنا اور میرا مجرم اچھا تمہارا مجرم خراب کی دلیل دینا اور بھی خطرناک ہے۔ سپریم کورٹ نے اپنے دو اہم فیصلوں کے ذریعہ یہ ہدایت دے چکا ہے کہ ایسے مجرم جو فرار یا روپوش ہوں اگر پرچۂ نامزدگی داخل کرنے کلکٹر آفس پہنچیں تو انہیں گرفتار کرلیا جائے، الیکشن میں اس طرح غیر سماجی عناصر کو انتخابات سے دور رکھنے کے لئے الیکشن کمیشن نے ایک راستہ دکھایا ہے جس سے یقیناً ان امیدواروں کو راحت ملے گی جو سنجیدگی سے الیکشن کی مہم کو سر کرنا چاہتے ہیں اور روپے، پیسے کی طاقت کا استعمال کم سے کم کرنے کے خواہشمند ہیں۔ اس کے بعد سیاسی جماعتوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مجرمانہ عناصر کی حوصلہ شکنی کریں اور جن کو امیدوار بنائیں پہلے ان کا ریکارڈ دیکھ لیں، تبھی جرم سے سیاست کا تعلق کمزور پڑے گا۔

●●

یوپی اے حکومت کا رپورٹ کارڈ

خورشید عالم

مرکز کی کانگریس قیادت والی حکومت نے اپنی پانچ سالہ مدت کار مکمل کرلی ہے اور پندرہویں لوک سبھا کے انتخابات کے لئے رائے دہندگان کے سامنے جانے کی تیاری کر رہی ہے۔ اس کے لئے جہاں پارٹی کارکن متحرک ہوگئے ہیں وہاں اشتہارات کے ذریعے حکومت اپنے کاموں کا گن گان کرنے میں لگی ہے۔ مختلف وزارتوں کی کارکردگی کو اشتہارات کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے لیکن کیا یہ کارکردگی اس کے مقرر کردہ ہدف کو حاصل کررہی ہے اس پر خاموشی اختیار کی گئی ہے کچھ یہی معاملہ اقلیتی امور کی وزارت کا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ اقلیتی وزارت کی جانب سے اس ضمن میں کوئی اشتہار دیکھنے کو نہیں ملا ہے جس سے اس کی اب تک کی کارکردگی سامنے آسکے اور ۲۰۰۴ء میں حکومت بناتے وقت کئے گئے وعدوں میں سے کتنے وعدوں پر عملدرآمد ہوا، اس کی تفصیل معلوم ہوسکے۔ اس لحاظ سے یوپی اے حکومت کی کارکردگی کا جائزہ یقیناً قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

یوپی اے حکومت کا مسلمانوں کے حوالے سے سب سے بڑا کارنامہ سچر کمیٹی رپورٹ ہے جس نے اعداد وشمار کے ذریعے مسلمانوں کی پسماندگی کو اجاگر کیا ہے۔ اس کے باوجود اس کے نکات پر عملدرآمد کو لے کر محض کمیٹیوں کے قیام اور ان حلقوں کی شناخت کرنے تک محدود ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور وہ پسماندہ ہیں۔ اس ضمن میں سیاسی مبصرین آسکر ایوارڈ پانے والی فلم سلم ڈاگ کو غربت کا مذاق اڑانے کی طرح اسے بھی مسلمانوں کی غربت کا مذاق اڑانا مانتے ہیں۔ ویسے بھی سچر کمیٹی رپورٹ پوری طرح مسلمانوں سے متعلق ہے، لیکن اقلیتی وزارت تک آنے آتے اس ضمن میں جو اسکیمیں بنیں ان میں مسلمانوں کے بجائے لفظ اقلیت جوڑ دیا گیا جس کے بعد اس کمیٹی کے قیام کے مقصد پر ہی سوال اٹھنے لگے۔ اس رپورٹ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ابھی رپورٹ تیار ہورہی تھی کہ تبھی ایک انگریزی روزنامے میں اس رپورٹ کے کچھ حصے شائع ہونے لگے جو کئی قسطوں میں شائع ہوئے۔ اس رپورٹ میں ایک اہم پہلو یہ تھا کہ آج مسلمان سرکاری اور پرائیوٹ دونوں سیکٹر کی نوکریوں میں متناسب نمائندگی سے محروم ہیں۔ لیکن ایک شعبہ ایسا ہے جہاں ان کی نمائندگی بھرپور ہے۔ یہ شعبہ کوئی اور نہیں بلکہ جیل خانہ ہے جہاں ان کی بھرپور اکثریت موجود ہے۔ ملت کو توقع تھی کہ جب رپورٹ تیار ہوکر سامنے آئے گی تو یہ بات موضوع بحث بنے گی کہ کتنے مسلمان کس جرم میں اور کب سے جیلوں میں بند ہیں۔ لیکن جب رپورٹ تیار ہوکر متعلقہ وزارت کے ذریعے سامنے آئی تو حیرت انگیز طور پر اس رپورٹ سے یہ باب غائب تھا۔ اس سے بھی زیادہ چونکانے والی بات یہ تھی کہ مسلم تنظیموں بشمول ملی قیادت نے نہ تو اس کا مطالبہ کیا کہ وہ اعداد وشمار سامنے لائے جائیں اور نہ ہی اس باب کو اپنے طور پر شائع کرنے کی زحمت کی۔ اس کے چلتے نہ صرف یہ کہ باب تاریخ کے صفحات میں دفن ہوکررہ گیا بلکہ اس پر کوئی بحث بھی نہیں ہوئی

اقلیتی امور کی وزارت کی جانب سے اقلیتی طلباء وطالبات کی اسکالرشپ کا بطور خاص ذکر کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے قائدین کی جانب سے بھی اس کی دہائی دی جاتی ہے لیکن اس اسکالرشپ کی سچائی کو جاننے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اس کے برعکس اس کے بھاری بھرکم بجٹ کا ذکر کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس بجٹ سے اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے تعلیمی مسائل حل ہوجائیں گے لیکن آر ٹی ای کے ذریعے جو تصویر سامنے آئی ہے وہ نہ صرف اس کی نفی کرتی ہے بلکہ حکومت کے ذریعے دی جارہی اسکالرشپ کے طریقہ کار پر سوالیہ نشان بھی لگاتی ہے۔ آر ٹی ای کے تحت دیئے گئے جواب میں وزارت اقلیتی امور نے اقلیتی طلباء وطالبات میں مسلم طلباء وطالبات کو دی گئی اسکالرشپ کے جو اعداد وشمار دیئے ہیں اس کے مطابق مسلمانوں کو بغیر کسی درخواست کے ہی اسکالرشپ دی گئی ہے۔ ظاہری بات یہ ہے کہ یہ اتنی بڑی پہل ہے جس کے لئے اقلیتی وزارت مبارکباد کی مستحق ہے۔ ملت کو بھی انہیں اس کام کے لئے مبارکباد دینی چاہئے۔ پہلی کلاس سے آٹھویں کلاس تک مسلم طلباء کو ۲۰۰۷-۰۸ء اور ۲۰۰۸-۰۹ء میں بالترتیب ۳۹۸۱۲۵۰ اور ۱۸۹۰۷ طلباء وطالبات کو اسکالرشپ دینے کی بات کہی گئی ہے۔ لیکن ان دونوں میں ایک بھی درخواست وصول ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ وہیں اسکالرشپ کو ۲۰۰۸-۰۹ء سے نافذالعمل بتایا گیا ہے جبکہ بجٹ ایک سال قبل ۲۰۰۷-۰۸ء میں ہی پاس کیا گیا تھا، کا ذکر ہے۔ اب اگر یہ ۲۰۰۸-۰۹ء سے نافذ العمل ہے تو ۲۰۰۷-۰۸ء میں کس بنیاد پر اس کے تحت اسکالرشپ دی گئی۔ میٹرک تک اسکالرشپ کے لئے مسلم طلباء وطالبات سے ۲۰۰۷-۰۸ء اور ۲۰۰۸-۰۹ء میں بالترتیب ۳۵۸۹۵ اور ۵۶۶۷۶ درخواستیں موصول ہوئیں لیکن وزارت نے اپنی مسلم دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے ۲۰۰۷-۰۸ء میں درخواستوں سے زیادہ طلباء وطالبات کو اسکالرشپ تقسیم کردی یعنی ۵۶۷۴۲ کو یہ اسکالرشپ دی جو کہ موصول درخواستوں سے تقریباً بیس ہزار زائد ہے۔ ۲۰۰۸-۰۹ء میں کتنے طلباء وطالبات کو یہ اسکالرشپ دی گئی اس کے اعداد وشمار اس میں نہیں ہیں۔ تیسری اسکالرشپ جو میرٹ کم مینس کے نام سے جانی جاتی ہے اس میں ۲۰۰۷-۰۸ء اور ۲۰۰۸-۰۹ء میں بالترتیب ۳۸۹۷۶ اور ۲۹۱۱۴ درخواستیں موصول ہوئیں۔ ۲۰۰۷-۰۸ء میں ۱۳۸۴۳ مسلم طلباء وطالبات کو یہ اسکالرشپ دی گئی جبکہ ۲۰۰۸-۰۹ء کے اعداد وشمار اس میں نہیں ہیں۔

مسلمانوں کا ملک کے وسائل پر پہلا حق ہے کہ بجٹ کا پندرہ فیصد ان کے لئے مختص کیا جائے تاکہ سماج کا یہ پسماندہ حصہ بھی ترقی کی دوڑ میں شامل ہوسکے۔ اس کے تحت اقلیتوں کو بینک سے لون دینے میں فوقیت دینے کے لئے کہا گیا۔ بینکوں و دیگر مالی اداروں نے مسلمانوں کو کتنی فوقیت دی اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عام طور پر مسلم اکثریتی حلقوں کو ان اداروں نے نگیٹیو ایریا قرار دے دیا ہے جس کی وجہ سے ان علاقوں میں نہ تو مسلمانوں کو بینکوں سے لون ملتا ہے اور نہ ہی کریڈٹ کارڈ۔ ایسا کہیں اور نہیں بلکہ ملک کے دارالحکومت میں جتنے بھی مسلم اکثریتی حلقے ہیں سب کی یہی صورتحال ہے۔ بھلے ہی ہم مسلم اکثریتی حلقے کی بنیاد پر سیاسی سطح پر جو بھی کہیں واقعہ یہ ہے کہ مسلم علاقے عوامی سہولتوں سے دور ہیں۔ اگر حکومت ان سے چشم پوشی کرتی ہے تو یہ تصویر کا ایک رخ ہے، لیکن خود مسلم جماعتیں بھی اس معاملے میں کوئی پیش رفت نہیں کرتیں۔ بینکوں کے ذریعے اقلیتوں کو دیئے گئے لون کی جو تفصیلات سامنے آتی ہیں اس سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اقلیت لفظ کے سہارے مسلمانوں کو نظرانداز کرنا بہت آسان ہے۔ تفصیلات کے مطابق جینیوں کو ۹ فیصد، سکھوں کو ڈیڑھ فیصد اور مسلمانوں کو محض ۱ء۲۵ فیصد لون دیا گیا۔ کہنے کو بارہ فیصد لون بینکوں کے ذریعے اقلیتوں کو دیا گیا لیکن سب سے بڑی اقلیت جو ملک کی دوسری بڑی اکثریت ہے اس کے حصے میں محض ۱ء۲۵ فیصد ہی آیا۔ اس لئے ضروری ہے کہ آئندہ سے اس طرح کی اسکیموں میں لفظ اقلیت کے بجائے لفظ مسلم استعمال کیا جائے۔ ویسے بھی جین اور سکھ طبقات مالی طور پر خودکفیل ہیں اور انہیں اتنی مدد کی ضرورت نہیں جتنی مسلمانوں کو ہے۔

سچر کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ ملک میں ۳۱ فیصد مسلمان خط افلاس سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ جبکہ شہری علاقوں میں ان کی تعداد بیس فیصد ہے۔ دیہی اور شہری علاقوں کے ان غریب مسلمانوں کے لئے حکومت نے کوئی اسکیم نہیں بنائی جس سے خط افلاس کے نیچے رہنے والے مسلمان اس سے نکل سکیں۔ دیہی علاقوں میں روزگار گارنٹی اسکیم شروع کی گئی ہے۔ یہ اسکیم سب کے لئے ہے۔ اس کے تحت پورے ایک سال میں سودن کے کام کی گارنٹی حکومت دیتی ہے لیکن کیا اس اسکیم سے دیہی آبادی کو سودن کا کام بھی ملا ہے۔ اگر کام مل بھی گیا تو سال کے بقیہ ۲۶۵ دن وہ کہاں سے کمائے گا۔ اس پر اسکیم خاموش ہے۔ صورتحال یہ ہے کہ آج بھی کسان قرض کی وجہ سے خودکشی کررہے ہیں۔ روزگار نہ ہونے کی وجہ سے لوگ گاؤں سے شہروں کو ہجرت کررہے ہیں اور شہروں پر آبادی کا بوجھ بڑھتا ہی جارہا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی اسکیم کے لئے حکومت فنڈ مختص نہیں کرتی۔ فنڈ تو ہوتا ہے لیکن اس کا طریقہ کار اتنا پیچیدہ ہوتا ہے کہ کسی مستحق کے لئے اس سے استفادہ کرنا ممکن نہیں ہوپاتا۔ ایسی صورت میں یا تو بجٹ حکومت کو واپس چلا جاتا ہے یا وہ لوگ جو اس طرح کے کاموں میں ماہر ہیں فائدہ اٹھالیتے ہیں۔

یوپی اے حکومت نے اقتدار سنبھالتے وقت اپنے کم ازکم مشترکہ پروگرام میں یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے لئے پسماندہ طبقات کو ریزرویشن دے گی۔ لیکن یہ وعدہ وفا نہ ہوا۔ مسلمانوں کا آج بھی یہ مطالبہ برقرار ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کانگریس اس پر کس طرح اور کب عمل کرتی ہے۔ اسی طرح فرقہ وارانہ واقعات پر قابو پانے اور ملزمان کے خلاف کارروائی کرنے کے مقصد سے قانون بنانے کی بات کہی تھی لیکن پانچ سال کے عرصے میں اس بارے میں کوئی قانون سازی نہیں ہوئی۔ مسلم تنظیموں سمیت قومی اقلیتی کمیشن نے اس بابت مسودے پر بحث ومباحثہ کراکر فائنل ڈرافٹ بھی حکومت کو دیا۔ اس کے باوجود حکومت نے اس پر سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ قومی اقلیتی ترقیاتی مالیاتی کارپوریشن کے حوالے سے کہا جارہا ہے کہ حکومت نے اس کے بجٹ میں اضافہ کردیا ہے۔ بجٹ میں اضافہ کس کے لئے؟ تقریباً تین سال سے اس کے چیئرمین کا عہدہ خالی ہے لیکن اقلیتی وزارت اس کا ایک عدد چیئرمین تلاش کرپانے میں ناکام ہے۔ ایسے میں اس کی کارکردگی میں اضافہ کیسے ممکن ہے؟ ویسے بھی اقلیتی وزارت نے اپنے ایک پروپوزل کے تحت اس کا جو نیا ڈھانچہ تیار کیا ہے اس نے اس کی ہیئت ہی بدل دی ہے اور اب یہ ایک نفع بخش کمپنی کے طور پر کام کرے گا جس کے بعد اگر غریبوں کی مدد کرنا اسے نفع بخش سودا نہیں لگے گا تو یہ امداد نہیں کرے گا۔

نیشنل کمیشن فار مائناریٹی ایجوکیشنل انسٹی ٹیوشن کے تحت مسلمانوں کے کتنے تعلیمی اداروں کو کسی یونیورسٹی سے الحاق ملا، اس کی رپورٹ تو نہیں آتی لیکن جن مسلم تعلیمی اداروں نے دہلی یونیورسٹی سے الحاق کے لئے درخواست کی تھی انہیں دہلی یونیورسٹی نے مسترد کردیا تھا جس کی وجہ سے یہ معاملہ اب کورٹ میں ہے۔ حکومت نے اس کے ڈھانچے میں تبدیلی کرتے ہوئے اس کے قانون میں ترمیم کی ہے۔ اس سے یہ کتنا موثر ہوگا یہ کہنا تو مشکل ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس کی کوئی رپورٹ پارلیمنٹ میں پیش نہیں ہوتی۔ ●●

بقیہ: عالمی کساد بازاری: اسباب اور حل

سکتا ہے۔ لیکن برا ہو، ان مصنوعات کو تیار کرنے والی کمپنیوں کا اور ان کی اشتہاری مہم کا ہماری خواتین بے چاری پھنس جاتی ہیں۔ خواتین کے علاوہ اب مرد بھی ان اشتہارات کے جال میں پھنسنے لگے ہیں اور مہنگے دام دے کر یہ کریم اور فیس لوشنز خریدنے لگے ہیں۔ اس طرح عوام کے خون پسینہ کی کمائی غیر ضروری مصنوعات کی خریداری میں چلی جاتی ہے جب کہ اشیائے ضروریہ کی خریداری اور بچت کے لئے ان کے پاس روپیہ نہیں بچتا۔ حکومتیں بھی ایسی کمپنیوں کو لائسنس جاری نہ کریں جو غیر ضروری اشیاء کی تجارت کرتی ہوں یا جس سے صحت عامہ کو کوئی خطرہ ہو۔

اسی طرح شراب کے اڈے اور جوئے خانے بھی ہیں جن کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ ان اڈوں کا بند ہونا بھی بے حد ضروری ہے۔ تبھی ایک صالح معاشرہ وجود میں آسکتا ہے اور ملک بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے۔ سوچئے جس ملک کے باشندوں میں نشہ اور قمار بازی زندگی کا ایک ضروری جز بن جائے ایسی قوم کی دماغی حالت کس طرح درست ہوگی؟ اور اس کے نوجوانوں کی کیا حالت ہوگی؟ حکومتوں کو اس طرف خصوصی توجہ دینی ہوگی شراب اور جوئے خانوں اور نائیٹ کلبوں کو یکسر بند کرنا ہوگا۔ یہ سبھی اڈے انفرادی حیثیت سے ہماری معیشت کو تباہ کرکے رکھ دیں گے۔ ہماری معاشرتی زندگی کھوکھلی ہوکر رہ جائے گی اور ہمارے خاندان برباد ہوکر رہ جائیں گے۔

(۵) سرکاری آمدنی کی غیر منصفانہ تقسیم: معاشی بحران کا ایک اور سبب سرکاری آمدنی کی غیر منصفانہ اور خودغرضانہ تقسیم ہے۔ ٹیکس کے نام پر عوام اپنے ملک کو نہ جانے کتنا روپیہ ادا کرتے ہیں۔ صرف انکم ٹیکس کے نام پر ہر کوئی جانتا ہے کہ حکومت کتنا وصول کرتی ہے۔ اس کے علاوہ پراپرٹی ٹیکس، ویلتھ ٹیکس، سیلز ٹیکس، واٹر ٹیکس، پروفیشنل ٹیکس، کارپوریشن ٹیکس، بزنس لائسنس، لیبر لائسنس، روڈ ٹیکس، اور نہ جانے کیا کیا ٹیکس، حکومت لیتی ہے تو لے لیکن عوام سے وصول کردہ یہ آمدنی اگر عوام کے سبھی طبقات کی بھلائی کے لئے یکساں طور پر تقسیم ہو تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوپاتا بلکہ اس آمدنی کو برسر اقتدار حکومتیں اپنے مفاد میں استعمال کرتی ہیں۔ کوئی حکومت اسکولی طلباء میں مفت سائیکلیں تقسیم کراتی ہے تو کوئی غریبوں کو مفت ٹی وی فراہم کرتی ہے۔ کوئی مفت گیس سلینڈر اور اسٹوو دیتی ہے تو کوئی کسانوں میں مفت زمینیں تقسیم کرارہی ہے۔ کوئی حکومت کسانوں کا قرضہ معاف کررہی ہے تو کوئی انہیں مفت بجلی فراہم کررہی ہے۔ جب کہ وہ لوگ جو اپنی محنت کی کمائی کا ایک بڑا حصہ حکومت کو ٹیکس کی شکل میں دے رہے ہیں ان تمام مراعات سے بالکل محروم ہیں۔ سرکاری ملازمین کی تنخواہیں ان کی لیاقت اور کار اوقات سے کئی گناہ زیادہ ہیں۔ انہیں پنشن کی سہولت مہیا ہے اور ان کے مرنے کے بعد ان کی بیویوں کو پنشن دی جاتی ہے۔ جب کہ غیر سرکاری ملازم یا تاجر پیشہ فرد اپنے بڑھاپے میں پائی پائی کا محتاج رہتا ہے۔ جب تک جوان تھا اپنے خون پسینے کی گاڑھی کمائی سے حکومت کو ٹیکس ادا کرکے سرکاری ملازموں کو تنخواہ دلایا کرتا تھا لیکن آج جب وہ بوڑھا ہوگیا تو کوئی بھی حکومت اسے پوچھتی نہیں ہے۔ یہ کیسا انصاف ہے۔ سچ کہا جائے تو یہ پورا انظام حکومت ہی غلط ہے۔ کیونکہ اگر ہمارا انظام حکومت صحیح ہوتا تو آج ملک کے ایک ایک باشندے کو پنشن ملتی اور ہر ایک کا بڑھاپا سکون وعافیت سے گزرتا۔

ایک وقت تھا جب کہ صرف ۲ فیصد ٹیکس (بشکل جزیہ) اور ڈھائی فی صد ٹیکس (بشکل زکوٰۃ) لے کر پوری دنیا پر حکومت کی گئی تھی اور صرف حکومت چلائی گئی بلکہ عوام کے جان ومال کی بھی حفاظت کی گئی۔ دشمنوں کے حملوں سے بھی حفاظت کی گئی اور ملک کی ترقی کے لئے اسکیمیں بناکر انہیں عملی جامہ بھی پہنایا گیا۔ لیکن آج عوام اپنی آمدنی کا ساٹھ فیصد حصہ دے کر بھی محروم ہیں۔ کیونکہ سرکاری آمدنی کی منصفانہ تقسیم نہیں ہورہی ہے بلکہ اس آمدنی کو بہتی گنگا سمجھ کر ہر سرکاری گماشتہ غوطے لگارہا ہے۔

(۷) غیر ضروری جنگیں بند کی جائیں اور ہر ملک کو پوری آزادی کے ساتھ جینے کا حق دیا جائے۔ جنگوں سے جو تباہی مچی اور دنیا کا ان جنگوں کی وجہ سے جو نقصان ہوا، وہ سب تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ اس کے باوجود دنیا کی چند شرپسند قوتیں ان جنگوں کو دنیا پر مسلط کررہی ہیں تاکہ وہ ساری دنیا پر اپنا کنٹرول قائم رکھ سکیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا کے دیگر ممالک ان شرپسندوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کریں اور اس بات کا اعلان کریں کہ یہ سبھی ممالک جنگ کے خلاف ہیں اور پوری دنیا میں امن چاہتے ہیں۔ جب تک پوری دنیا میں ایک دوسرے کے خلاف ایک ناجنگ معاہدہ طے نہیں پاتا، عالمی اقتصادی بحران بھی پوری طرح ختم نہیں ہوسکتا۔

(۸) دنیا کے سبھی ممالک سب سے پہلے اپنے یہاں کی حالت کا تجزیہ کریں اور دیکھیں کہ اپنے ملک کی اوّلین ضرورتیں کیا کیا ہیں۔ پہلے اپنے اندر کی حالت سدھاریں، اپنا معاشی نظام درست کریں، آمدنی کی منصفانہ تقسیم کریں اور اپنے عوام کی ضرورت کا خیال رکھیں ملک کی فلاح وبہبود کی اسکیمیں مرتب کریں اور انہیں عملی جامعہ پہنائیں۔ رشوت خوری کا خاتمہ کریں اور سرکاری عملہ کو پوری ایمانداری سے کام کرنے پر مجبور کریں۔ جو بھی سرکاری ملازم رشوت خوری یا چوری میں یا کسی اور جرم میں ملوث ہوتو اسے فوری طور پر برطرف کرکے اس کے خلاف کارروائی کی جائے اور اسے سخت سے سخت سزا دی جائے۔ حکومتیں صرف انہی اسکیموں پر خرچ کریں جن کی عوام کو ضرورت ہے اور بے کار اور غیر ضروری اسکیموں پر خرچ نہ کریں۔

انتخابات کے دوران روپیہ کہاں سے آتا ہے؟ انتخابات میں جتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے اگر وہ عوام میں تقسیم کردیا جائے تو شاید کوئی بھی غریب نہ رہے۔ انتخابات میں اسراف بند کیا جائے اور حکومت اس طرح کے اسراف پر پابندی عائد کرے۔ الیکشن کمیشن کے لئے ایک صلاح یہ بھی ہے کہ ایک عوامی فنڈ بنایا جائے اور انتخابات میں حصہ لینے والی ہر پارٹی سے عوامی فلاح وبہبود کے ضمن میں اس پارٹی کی آمدنی کا ساٹھ فیصد حصہ لے اور اسے عوامی فنڈ میں داخل کردے۔ یہ فنڈ صرف عوام کے لئے مخصوص ہو اور اس فنڈ سے بلاتفریق امیر وغریب ملک کے تمام بوڑھوں کو جنہیں سرکار کی طرف سے پنشن نہ ملتی ہو، پنشن دی جائے۔ ملک کے سبھی بچوں کو مفت تعلیم دی جائے۔

(۹) خلا میں راکٹ روانہ کرنا یا سیٹلائٹ یعنی مصنوعی سیارچے روانہ کرنا وغیرہ سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ سب محض وقت اور سرمایہ کی بربادی ہے۔ آج سے چالیس سال قبل امریکہ نے چاند پر اپنے قدم جمائے تھے اس سے انسانیت کو کیا فائدہ پہنچا؟ مریخ تک ہمارا راکٹ پہنچ گیا۔ کیا فائدہ ہوا انسانیت کو؟ تقریباً ۷ ہزار مصنوعی سیارے خلا میں گردش کررہے ہیں۔ کیا ان کی وجہ سے انسانیت کو کوئی فائدہ پہنچا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوا ہے کہ ایک ملک دوسرے ملک کی جاسوسی کررہا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کے ہدف میں آج دنیا کا ہر ملک اور ایک ایک شہر اور اس کی ایک ایک گلی بلکہ ایک ایک گھر ہے۔ وہ جب چاہیں ہمارے گھروں میں آگ لگاسکتے ہیں۔ محبتوں کے بجائے نفرتوں کا زہر پوری فضا کو آلودہ کرچکا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کو مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ ہے ہماری سائنسی اور ٹکنالوجی ترقی کی معراج کہ کروڑوں ڈالر اسلحہ کی تیاری میں لگادیا جاتا ہے۔ نیوکلیئر ہتھیاروں کی تیاری ہر ملک انتہائی رازداری کے ساتھ کررہا ہے لیکن کہا یہ جارہا ہے کہ ہم سب نیوکلیئر ہتھیار ضائع کرچکے ہیں۔ کب اور کہاں ضائع کیا گیا یہ کسی کے بھی علم میں نہیں۔ روزانہ کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی ملک نیوکلیئر دھماکہ کرتا ہے۔ ان دھماکوں پر نہ جانے کتنا خرچ آتا ہوگا۔ یہ سب اخراجات کہاں سے نکالے جاتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ سب روپیہ عوام کا ہی ہوتا ہے۔ جو وہ ٹیکس کی شکل میں ادا کرتے ہیں۔ ایک طرف تو ملک کے عوام بھوکے مررہے ہیں۔ مہنگائی نے ان کی کمر توڑ ڈالی ہے، بے روزگاری میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے، دوسری طرف حکومتیں نیوکلیئر دھماکوں پر عوام کا روپیہ برباد کررہی ہیں۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلے عوام کو بھوکے مرنے سے بچایا جائے، مہنگائی کم کرنے کی کوشش کی جائے اور بے روزگاروں کو روزگار مہیا کئے جائیں، لیکن ایسا نہیں ہورہا ہے۔ یہ موجودہ دور کا سب سے بڑا المیہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اس پورے نظام کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے سارے نظام بودے ثابت ہوچکے ہیں۔ نہ تو ہمارا اقتصادی نظام درست ہے اور نہ سیاسی نظام، دنیا کا کوئی بھی نظام ایسا ہی نہیں ہے جو عام آدمی کو اس کا حق دے سکے۔ عام آدمی جو کہ عوام کہلاتے ہیں۔ عوام کو سیاست دانوں نے سنہرے خواب دکھا کر بہلا رکھا ہے اور عوام ہیں کہ سیاست دانوں کے اشارے پر کٹ مرنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔

عوام کو بھی اب گہری نیند سے جاگنے کی ضرورت ہے۔ عوام تہیہ کرلیں کہ وہ سیاست دانوں کے ہاتھوں کھلونا نہیں بنیں گے بلکہ سیاست دانوں کو اپنے جائز حقوق کی ادائیگی کے لئے مجبور کریں گے۔ عوام کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ملک صرف سیاست دانوں کا نہیں بلکہ صرف عوام کا ہے۔ عوام ہی تو حکمرانوں کا انتخاب کرتے ہیں اور حکمراں، عوام کا بھلا نہیں تو پھر کس کا کریں گے۔ عالمی کساد بازاری نے ساری دنیا کو ایک پیغام دیا ہے کہ دنیا کے سارے لوگ کرپشن، چور بازاری، سرکاری آمدنی کی غیر منصفانہ تقسیم، بینکوں کے سودی نظام، شراب اور جوئے کے اڈوں اور سرکاری دفاتر اور ملٹی نیشنل کمپنیوں میں ملازمین کی بھاری تنخواہوں کے خلاف متحد ہوکر اپنے اپنے ملک میں محاذ قائم کریں اور اپنی آواز بلند کریں۔ یاد رکھیں یہ مہنگائی اور عالمی کساد بازاری ہمارے ناقص اقتصادی اور سیاسی نظام کا شاخسانہ ہے۔ اس نظام کو بدلنا ہوگا اور یہ تبدیلی صرف عوام ہی لاسکتے ہیں۔ ●●

اسلام میں مہر و جہیز

ڈاکٹر الحاج ایم یعقوب راج
ایم بی بی ایس، سابق سرجن وفزیشین سعودی عرب

نکاح ایک ایسا پاکیزہ اٹوٹ رشتہ ہے جس میں بندھ کر دو اجنبی مرد وعورت اپنی عزت وپاک دامنی کی سماجی واسلامی حفاظت کرلیتے ہیں۔ جس طرح نکاح ایک عبادت ہے اسی طرح مہر بھی عبادت سے کم نہیں۔ یہ حق کسی طرح ساقط نہیں ہوتا۔ اسلام نے مردوں پر اُن کی عورتوں کا مہر لازم قرار دیا ہے۔ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: ''عورتوں کو ان کا مہر خوشی خوشی دے دیا کرو''۔ ایک دوسری جگہ فرمایا: ''محرم عورتوں کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ تم رقم دے کر ان میں سے جس سے چاہو نکاح کرسکتے ہو''۔ نکاح ایک مضبوط رشتہ ہے۔ یہ بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ جو چیز رقم دے کر حاصل ہوتی ہے اس کی قدر وعزت ہوتی ہے۔ مفت کی چیزوں کی اہمیت نہیں سمجھی جاتی''۔

آج کل سماج میں مہر کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ مہر کی رقم اتنی زیادہ مقرر کرتے ہیں کہ اس کی ادائیگی ممکن نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ تو اپنے نام کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم مہر مقرر کرتے ہیں تو کچھ یہ سوچ کر کہ مہر زیادہ رہے گا تو لڑکا طلاق دینے کی ہمت نہیں کرسکے گا۔ جبکہ اسلامی حکم یہ ہے کہ مہر اتنا ہی مقرر وقبول کرو جتنی ادا کرنے کی ہمت وحیثیت ہو، کیونکہ جو اسے ادا کرنے کی نیت نہ رکھیں یا ادا نہ کریں وہ بڑے سخت گناہگار ہوتے ہیں۔ اس لئے مہر کو کوئی رقم نہیں بلکہ اللہ کا حکم مان کر اتنا ہی مقرر کریں جتنا کہ ادا کیا جاسکے۔ کچھ لوگ یہ سوچ کر مقرر کرالیتے ہیں کہ مہر زیادہ ہے تو کیا ہوا، ادا تو کرنا نہیں ہے، بیوی سے معاف کرالیں گے، یہ بہت بڑی نادانی وبھول ہے۔ کیا آپ اپنی بیوی کا کوئی حق معاف کرنا پسند کرتے ہیں؟ تو پھر اس سے اپنا حق کیوں معاف کرانے کی سوچتے ہیں؟ کسی اور امر کے لئے تو بیوی سے معافی نہیں مانگتے نہ کچھ اور معاف کرانے کی سوچتے ہیں؟ یاد رکھئے، مرد پر بیوی کا مہر ادا کرنا واجب ہے۔

اسی طرح جہیز کے معاملے میں بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی مسلم سماج میں بہت سے غیر اسلامی خیالات ورسمیں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے سماج میں زبردست بے چینی بڑھ رہی ہے۔ امیر لوگوں کے لئے تو کوئی بات نہیں لیکن غریبوں کے لئے بیٹیاں مصیبت ثابت ہورہی ہیں۔ اس سلسلے میں سیکڑوں قصے سننے اور دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جہیز دینا غیر اسلامی عمل ہے۔ نہ اللہ کے رسولؐ نے اپنی کسی بیٹی کو جہیز کے طور پر کچھ دیا نہ کوئی ام المؤمنین اپنے باپ کے گھر سے جہیز کے نام پر کچھ لائیں نہ کسی اور صحابیؓ یا صحابیہؓ کے بارے میں جہیز لینے، دینے یا مانگنے کا کہیں کوئی ذکر پایا جاتا ہے۔ البتہ بیٹوں کی طرح بیٹیاں بھی اولاد ہیں۔ بیٹوں کی طرح ماں باپ کے لئے بیٹیاں بھی تمام حقوق رکھتی ہیں اور ماں باپ اور بھائیوں کے اوپر ان کی ادائیگی فرض ہے۔ بیٹوں کی طرح ماں باپ کے ترکہ اور ورثہ میں بیٹیوں کا بھی حق ہے۔ بیٹیوں کو وراثت میں حصہ دینا فرض ہے جس کی قرآن کریم میں زبردست تاکید کی گئی ہے اور اس بارے میں مفصل احکام بیان کئے گئے ہیں۔ بہنوں، بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرنا شرمناک حرکت اور احکام الٰہی وتعلیمات اسلامی سے روگردانی وبغاوت ہے۔ لوگ جہیز کے نام پر لڑکی والوں سے مال وصول کرتے ہیں۔ اس گھناؤنی غیر اسلامی رسم کو ختم کرنے میں قوم کے نوجوان اہم رول ادا کرسکتے ہیں۔ اپنی اسلامی غیرت اور اسلامی شریعت کا خیال رکھتے ہوئے جہیز کا لالچ اپنے دلوں سے نکال دیں اور سماج میں ایک انقلاب برپا کردیں۔ ●●

بقیہ: حیات رسولؐ ہمارے لئے اسوۂ کاملہ ہے

خطاؤں سے درگزر فرمائے تو اس کے لئے ہمیں ایک کام کرنا ہوگا اور وہ کام ہے آپؐ کی اتباع۔ جیسا کہ سورہ آل عمران میں ارشاد ہے: ''اے نبی لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا''۔

ہمیں اس دین کو نافذ کرنے کی کوشش کرنی ہے جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ ابتدائی تیرہ سال آپؐ نے لوگوں کی تربیت وتزکیہ میں گزارے اور بعد کے دس سال آپؐ نے اسے اجتماعی طور پر سیاسی Level پر اور عالمی سطح پر نافذ کیا۔ حالانکہ اس دور میں نہ تو پریس تھی، نہ میڈیا، نہ انٹرنیٹ۔ آج انگلی کے ایک اشارے یا Touch سے سیکڑوں لوگوں تک دین کا پیغام پہنچا سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ ہر طریقے سے اس پیغام کو عام کرے۔ تقریر، تحریر، میڈیا، انٹرنیٹ۔ آپؐ کی جو سنتیں مٹ چکی ہیں انہیں زندہ کریں۔ شادی کی رسوم، پیدائش اور موت کے غلط رسوم کو ختم کیا جائے۔ ہم انفرادی طور پر اپنے آپ سے ابتداء کریں۔ ہر فرد اگر انفرادی طور پر کرتا چلا جائے گا تو یہی کوشش آخر اجتماعی کوشش ثابت ہوگی۔ عمرو بن عوفؓ کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن بلال ابن حارثؓ سے کہا: ''اے بلال! جان لو، انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! کس چیز کے جاننے کا آپؐ مجھے حکم دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس بات کو جان لو کہ جو لوگ میری سنتوں میں سے کسی سنت کو اس کے مٹ جانے کے بعد رائج کریں گے ان کو اس پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جو لوگ کوئی نئی بات دین میں رائج کریں گے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی مرضی کے خلاف ہو تو ان کو اس بدعت پر عمل کرنے والوں کے برابر سزا ملے گی اور عمل کرنے والوں کی سزاؤں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی''۔ (ترمذی)

اتباع سنت کا غیر معمولی اجر:

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: جو شخص میری امت کے عام بگاڑ کے زمانے میں میرے طریقے پر چلے گا اس کو سو شہیدوں کے برابر اجر اور انعام ملے گا''۔ (ترغیب وترہیب)

اتنا بڑا انعام اس کو اس لئے ملے گا کہ اس کا ماحول اس کے لئے سازگار نہیں تھا، اس کی راہ میں ہر طرف کانٹے ہی کانٹے تھے لیکن اس کے باوجود اس نے لوگوں کی پسندیدہ غلط راہ اختیار نہیں کی بلکہ اس نے اپنی پوری زندگی سے اس بات کی شہادت دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی راہ ہی نجات کی راہ ہے۔ (بحوالہ کتاب زاد راہ) مندرجہ بالا دونوں احادیث کے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ نیک کام کتنا بھی اچھا ہو۔ اگر وہ سنت کے مطابق نہیں ہے تو اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔ آج ہم معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ عید میلاد یا محفل نعت یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اصحاب کرامؓ سے ثابت نہیں ہے۔ کیا ہم صحابہ کرامؓ سے زیادہ اللہ کے رسولؐ سے محبت کا دعویٰ کرسکتے ہیں؟ صحابہ کرامؓ تو وہ نفوس تھے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں جان بھی دینے سے دریغ نہ کرتے تھے اسی لئے ہمیں بھی انہی کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ جیسا کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا تھا: ''جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا''۔ ہم بھی عملی زندگی میں آپؐ کی پیروی اختیار کریں اور خود کو اسی اسوہ حسنہ کے رنگ میں رنگ لیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ سنت کا علم ہونے کے بعد ہم اپنی مرضی اور پسند کو ترجیح دیتے ہوں کیونکہ حدیث میں آتا ہے: ''کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنی اولاد، والدین اور باقی لوگوں کے مقابلے میں مجھ سے زیادہ محبت نہ رکھتا ہو''۔ (متفق علیہ) آپؐ سے محبت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم آپؐ کے بارے میں جانیں۔ سیرت کا گہرائی سے مطالعہ کریں۔ ان کی عبادات، اخلاق، ان کے لباس، ان کی پسند ناپسند کے بارے میں جانیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے میرے طریقے سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں''۔ (بخاری ومسلم) ●●

اہم خبروں کا اختصار

ملکی

● اڑیسہ۔ اڑیسہ ضلع کے گاؤں بینڈور سے تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اپندا کے میڈیکل نامی مقام پر ایک سو سال پرانی جامع مسجد پر شرپسندوں نے حملہ کرکے وہاں کئی چیزوں کو نقصان پہنچایا۔ مسجد اور قرآن مجید کی بے حرمتی کی۔

● لکھنؤ۔ اترپردیش اقلیتی کمیشن نے ضلع مجسٹریٹ سلطانپور کو ہدایت دی ہے کہ ضلع کے دولت پور علاقے میں شرپسندوں کے ذریعے اقلیتوں کی جلائی گئی دکانوں، مکانوں و لوٹی گئی املاک کے معاملے کی مجسٹریٹ جانچ کراکے دو ہفتے کے اندر رپورٹ کمیشن کو پیش کریں۔

● نئی دہلی۔ شرد سبروال پاکستان میں ہندوستان کے نئے ہائی کمشنر ہوں گے جو ستیہ ورت پال کی جگہ لیں گے جن کے عہدے کی مدت ۲۸/فروری کو ختم ہوگئی تھی۔ سبروال فی الحال وزارت خارجہ میں انتظامیہ، سفارتخانے کے پاسپورٹ اور ویزا سے متعلق شعبے کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں۔

● نئی دہلی۔ سی پی آئی (ایم) کے جنرل سکریٹری پرکاش کرات نے کہا ہے کہ آئندہ لوک سبھا انتخابات کے بعد اگر تیسرے محاذ کی حکومت بنی تو اس میں ان کی پارٹی شریک ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کی ضرورت محسوس ہو۔

● پیلی بھیت۔ یہاں سے بی جے پی کے امیدوار ورون گاندھی کے خلاف الیکشن کمیشن کی ہدایت پر کریمنل کیس درج کیا گیا ہے۔ انھوں نے ۶/مارچ کو اقلیتوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریر کی تھی۔

● نئی دہلی۔ بہار میں آئندہ لوک سبھا الیکشن کے لئے راشٹریہ جنتادل اور لوک جن شکتی پارٹی کے درمیان نشستوں کی تقسیم کا مسئلہ حل ہوگیا۔ راشٹریہ جنتادل ۲۵ اور لوک جن شکتی پارٹی بارہ نشستوں پر لڑے گی جبکہ کانگریس کو تین نشستیں دی گئی ہیں جس پر وہ تیار نہیں ہے۔

● ممبئی۔ احمد آباد، ممبئی اور بنگلور بم دھماکے میں گرفتار مبینہ انڈین مجاہدین کے محمد صادق شیخ کے خلاف مہاراشٹرا اے ٹی ایس کو گیارہ جولائی ۲۰۰۶ء کے ممبئی لوکل ٹرین بم دھماکے میں ملوث ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے۔ اس کا پولی گراف ٹسٹ ہوچکا ہے جبکہ یہ کہا گیا تھا کہ اس نے ٹرین بم دھماکے میں ملوث ہونے کی بات قبول کرلی ہے۔

● نئی دہلی۔ پنجاب، مغربی بنگال اور ہریانہ حکومت نے آئی پی ایل کے مقابلوں کے انعقاد کے لئے ترمیم شدہ شیڈول کو منظوری دے دی۔ اس میں رکاوٹ کھلاڑیوں کو سیکورٹی کی فراہمی تھی۔

● پنجی۔ گوا کے وزیر داخلہ روی نائک نے کہا ہے کہ ریاست میں شری رام سینا کو شاخ کھولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

● کلکتہ: مغربی بنگال کے سابق وزیراعلیٰ جیوتی بسو نے کہا ہے کہ مرکز میں تیسرے محاذ کی حکومت کی تشکیل بہت مشکل ہے لیکن اگر ایسا ہوا تو سی پی ایم کو اس میں شامل ہونا چاہئے۔

● پٹنہ۔ راشٹریہ جنتادل کے صدر لالو پرساد یادو کے نسبتی بھائی انیرودھ پرساد عرف سادھو یادو نے کہا ہے کہ راشٹریہ جنتادل اور لوک جن شکتی پارٹی کے درمیان نشستوں کی تقسیم کا معاہدہ جلد ہی ختم ہوجائے گا۔ مسٹر یادو اس بات سے ناراض ہیں کہ پہلے وہ گوپال گنج سے الیکشن لڑتے رہے۔ وہ محفوظ حلقہ بن گیا۔ اس کے بعد وہ بتیا سے لڑنا چاہتے تھے اور مذکورہ معاہدہ کے تحت وہ حلقہ لوک جن شکتی پارٹی کو مل گیا۔

● کوٹایم۔ پارلیمانی امور کے وزیر ویلا روی نے یہاں کہا کہ تیسرا مورچہ موقع پرستوں کا گروپ ہے جنھیں اقتدار کا لالچ ہے۔

● نئی دہلی۔ کانگریس نے الیکشن کمیشن میں عرضی داخل کرکے اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ اترپردیش میں مایاوتی حکومت میں آزادانہ اور غیر جانبدارانہ الیکشن کی امید نہیں ہے۔

● دہرہ دون۔ پوڑی اسمبلی حلقے سے آزاد ممبر اسمبلی یشپال بینام نے اتراکھنڈ کی بی جے پی سرکار سے حمایت واپس لے لی۔

● نئی دہلی: زرعی لاگت کمیشن کے سابق صدر ٹی حق نے کہا ہے کہ لوک سبھا انتخابات کے بعد چینی کی قیمت خوردہ بازار میں تیس روپے فی کلو تک پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔

بین الاقوامی

● کراچی۔ رپورٹ کے مطابق عالمی مالیاتی بحران کے باعث مغربی ممالک نے پاکستان ٹیکسٹائل مصنوعات وصول کرنے سے انکار کردیا ہے۔ جس سے ٹیکسٹائل کی صنعت کو پانچ ارب ڈالر کے قریب نقصان کا اندیشہ پیدا ہوگیا ہے۔

● ٹوکیو۔ دنیا کی دوسری بڑی معیشت جاپان نے خود کو بحران سے نکالنے کے لئے مذاکراتی دور کا آغاز کردیا ہے۔ تقریباً دو سو ارب ڈالرز کے اس پیکیج کے سلسلے میں غور وخوض کے لئے جاپانی وزیراعظم کارو آسو نے ماہرین کا ایک پینل تشکیل دیا ہے۔

● ویانا۔ روس اور ایران کے درمیان توانائی کے شعبے میں تعاون کا ایک نیا معاہدہ ہوا ہے۔ معاہدے کے تحت روس ایران کے جنوب میں آئل اینڈ گیس فیلڈز کو ترقی دے گا۔

● لندن۔ فائنانشیل ٹائمز اور ہیرس ایجنسی کے سروے کے مطابق یورپی یونین کے پانچ بڑے ممالک برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی اور اسپین کے بیشتر شہری چاہتے ہیں کہ ان کے ملک میں رہنے والے بیروزگار غیر ملکی اپنے وطن واپس چلے جائیں۔

● جنیوا۔ سعودی وزیر تیل علی ابراہیم النعیمی نے یہاں ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ تیل کی موجودہ قیمت فی بیرل چالیس ڈالر ناکافی ہے۔ یہ ۶۰ سے ۷۵ ڈالر ہونی چاہئے تاکہ اس صنعت میں سرمایہ کاری کا رجحان برقرار رہے۔

● بگوٹا۔ کولمبیا کے جنوبی وسطی حصے میں کولمبیائی فوجیوں نے ایف اے آر سی کے تیرہ مشتبہ باغیوں کو مار گرایا اور اتنے ہی کو گرفتار کرلیا۔

● واشنگٹن۔ امریکی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن نے یہاں نامہ نگاروں سے کہا کہ پاکستان میں جس طرح چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کی بحالی کے ساتھ جو مصالحت اور سمجھوتہ ہوا ہے وہ دراصل پہلا قدم ہے جس سے جمہوریت اور قانون کی حکمرانی مستحکم ہوسکے گی۔

● واشنگٹن۔ سابق امریکی نائب صدر ڈک چینی نے کہا ہے کہ نئے صدر بارک اوباما کچھ ایسے متبادل منتخب کررہے ہیں جس سے امریکیوں پر ایک اور حملہ کا خطرہ منڈلائے گا۔ اس پر وہائٹ ہاؤس کے پریس سکریٹری رابرٹ گبس نے کہا کہ میں کہوں گا کہ صدر نے واضح کردیا ہے کہ امریکیوں کی سیکورٹی ان کی سب سے بڑی ترجیح ہوگی۔

● واشنگٹن: وی رائٹ ڈائرکشن فار پالیسی ٹوواڈس رشیاء کے موضوع پر ایک رپورٹ میں امریکی تجزیہ نگاروں نے کہا ہے کہ ماسکو کے ساتھ جلد اچھے رشتے قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ تبھی ایران، افغانستان اور پوری دنیا میں امریکی اہداف کو حاصل کیا جاسکے گا۔ ورنہ کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا اور ناکامی کی بڑی قیمت چکانی پڑسکتی ہے۔

● تہران۔ ایران کے سابق صدر محمد خاتمی نے آئندہ جون میں ہونے والے صدارتی الیکشن نہ لڑنے کا اعلان کیا ہے۔ موجودہ صدر محمود احمدی نژاد نے ابھی تک رسمی طور پر اپنی امیدواری کا اعلان نہیں کیا ہے۔

● اسلام آباد۔ پاکستان کے صدر آصف علی زرداری نے کہا ہے کہ ۱۶/مارچ کا دن پاکستان کی تاریخ میں عدلیہ کی جیت کے روپ میں یاد کیا جائے گا۔ یہ جیت نئی جدوجہد کا آغاز ہے جس کا اختتام جمہوریت کا اعلامیہ نافذ ہونے کے ساتھ ہوگا۔

● اسلام آباد۔ پاکستان کے وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے کہا ہے کہ حکومت ملک کے سب سے بڑے اور سیاسی اعتبار سے سب سے زیادہ اہم صوبہ پنجاب میں جلد ہی جمہوریت بحال کرے گی جہاں اس وقت گورنر راج ہے۔

● واشنگٹن۔ امریکی وزارت خارجہ نے کہا ہے کہ اس نے ہندوستان کے لئے ۲ء۱ ارب ڈالر کے اسلحہ کی منظوری دے دی ہے یہ اب تک ہندوستان کو امریکی اسلحہ کے سب سے بڑی کھیپ ہے۔

● کیپ کینورل۔ کئی بار پروگرام کی منسوخی کے بعد بالآخر خلائی گاڑی ڈسکوری اپنے عملے کے سات ارکان کو لے کر بین الاقوامی خلائی مرکز کے لئے روانہ ہوگئی جہاں وہ آئی ایس ایس میں چوتھا شمسی پنکھ نصب کرے گی۔

پروفیسر طاہر محمود کو شاہ ولی اللہ ایوارڈ

نئی دہلی۔ انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز نے اپنے ساتویں شاہ ولی اللہ ایوارڈ کے لئے معروف قانون داں پروفیسر طاہر محمود کا انتخاب کیا ہے۔ یہ فیصلہ شاہ ولی اللہ ایوارڈ بورڈ کی میٹنگ میں یہاں اتفاق رائے سے لیا گیا۔ مسٹر طاہر محمود کو اس ایوارڈ کے تحت ایک لاکھ روپے کا نقد انعام اور شاہ ولی اللہ ٹرافی پیش کی جائے گی۔ اس ایوارڈ کی جونیئر کٹیگری میں 'اسلامی قانون کے تناظر میں نظام آئین' کے موضوع پر مقالہ نگاری کے لئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق رجسٹرار پروفیسر فیضان مصطفیٰ اور ڈاکٹر افروز عالم کے مشترکہ مقالے کو انعامی قرار دیا گیا ہے۔ ان مقالہ نگاروں کو پچیس ہزار روپے کا نقد انعام ٹرافی کے ساتھ مشترک طور پر دیا جائے گا۔ اسلامی علوم میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے دانشوروں کی خدمات کا اعتراف کرنے کے لئے انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز کی جانب سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی یاد میں سالانہ ایوارڈ دیا جاتا ہے۔ ۱۹۹۹ء میں شروع کئے گئے اس سلسلے کے تحت یہ ساتواں ایوارڈ ہے جو "عصر حاضر کے تناظر میں اسلامی قانون" کے موضوع پر دیا جارہا ہے۔ اس ایوارڈ کے لئے ایوارڈ بورڈ کو دانشوروں کی طرف سے پچیس شخصیات کے لئے نامزدگیاں موصول ہوئی تھیں۔ یہ ایوارڈ عنقریب ایک خصوصی تقریب میں پیش کئے جائیں گے۔ اسی موقع پر اگلے ایوارڈ کیلئے عنوان اور مقالہ نگاری کے موضوع کا اعلان کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ اس سے پہلے مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی، قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، محمد نجات اللہ صدیقی، محمد شہاب الدین ندوی اور یاسین مظہر صدیقی کو یہ ایوارڈ دیا جاچکا ہے۔

دعوتی کام میں باہمی تعاون پر مشاورتی اجلاس

نئی دہلی۔ شعبۂ دعوت جماعت اسلامی ہند کی طرف سے دعوتی کام کرنیوالی جماعتوں، اداروں کے ذمہ داران اور شخصیات کا ایک روزہ مشاورتی اجلاس ۱۵/مارچ کو چتلی قبر میں منعقد کیا گیا۔ جناب محمد اقبال ملا سکریٹری شعبۂ دعوت نے شرکاء کا استقبال کرتے ہوئے اجلاس کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی اور جماعت اسلامی ہند کی دعوتی کوشش کا تذکرہ کیا۔ شرکاء نے "دعوتی کام میں پیش آمدہ مسائل اور ان کا حل" کے موضوع پر تفصیل سے اظہار خیال کیا۔ پروگرام کا دوسرا اہم موضوع "کار دعوت میں باہمی تعاون کی شکلیں" تھا۔ اس پر بھی شرکاء نے اظہار خیال کیا۔

اجلاس کے آخر میں باہمی تعاون کی شکلوں کو مزید پروان چڑھانے اور آئندہ اس طرح کے اجلاس منعقد کرنے اور پروگرام کی ترتیب کیلئے جناب عبدالرب کریمی کی کنوینر شپ میں درج ذیل کمیٹی تشکیل دی گئی۔

(۱) جناب نسیم احمد غازی (۲) ڈاکٹر سید شاہد علی (۳) جناب محمد عمر گوتم (۴) نمائندہ جناب مولانا محمد کلیم صدیقی (۵) جناب محمد زین العابدین منصوری۔

بقیہ: ممبئی حملوں کے کئی پہلو اب بھی معمہ بنے ہوئے ہیں

نہیں کی گئی کہ مسٹر کرکرے کو کس نے مارا، کیوں مارا، اس کا مقصد کیا تھا۔ موت سے قبل مسٹر کرکرے کو وائرلیس پر پیغام دے کر ادھر ادھر کیوں دوڑایا گیا۔ آخر کار ایک جگہ گھات لگا کر انہیں ماردیا گیا۔ اسی طرح جب یہ بات کہی جاتی ہے کہ حملہ آور پاکستانی تھے اور ان کا ایک ساتھی اجمل عامر قصاب زندہ ہے جس کے بارے میں پوری جانکاری حاصل کرلی گئی ہے لیکن اس سے دیگر حملہ آوروں کا نام و پتہ کیوں نہیں پوچھا گیا۔ اور جب حملہ آور پاکستانی تھے تو ان کی لاشیں ان کے وطن کیوں نہیں بھیجی جارہی ہیں؟ کیوں ہندوستان میں ان کی تدفین پر زور دیا جاتا ہے؟ اور اس کے لئے ممبئی کے مسلمانوں پر دباؤ کیوں ڈالا جاتا ہے؟ ایک طرف دہشت گردوں کو قبول نہ کرنے کی باتیں کی جاتی ہیں اور دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی لاشوں کے لئے قبرستان کی جگہ دی جائے۔ یہ تضاد کیوں؟ جب کسی بھی اہم معاملے کے تمام پہلو واضح نہ ہوں تو اس پر شبہ فطری ہے، ممبئی حملوں پر بھی یہی ہورہا ہے۔ یہ تو حملوں کے دو پہلو ہیں، تیسرا پہلو جو اگرچہ راست طور پر اس سے تعلق نہیں رکھتا لیکن ملک میں دہشت گردی اور دہشت گردانہ واقعات کی ایک اہم کڑی ہے۔ وہ یہ کہ ممبئی حملوں سے مالیگاؤں بم دھماکہ اچانک ٹھنڈے بستے میں کیوں چلا گیا جس کی انکوائری میں ملک میں ہندتو دہشت گردی ایک ایسے بڑے نیٹ ورک کا پردہ فاش ہورہا تھا جو حقیقت میں ملک کے سارے بم دھماکوں کا ذمہ دار ہے۔ قریب تھا کہ مالیگاؤں بم دھماکہ کی انکوائری سے دیگر بم دھماکوں کی حقیقت سامنے آجاتی اور ہندوتو طاقتوں کے ساتھ ملک کی پولیس اور حکومتیں بے نقاب ہوجاتیں جنھیں دہشت گردی کے ہر واقعے میں مسلمانوں کا ہاتھ نظر آتا ہے لیکن ایک ہی جھٹکے میں ممبئی حملوں نے پوری صورتحال اور سارے حقائق تبدیل کردیے۔ ایسے حالات میں یہی کہا جائے گا کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جس کی پردہ پوشی کی جارہی ہے۔ ●●

عام انتخابات سے قبل ریاستوں کا سیاسی و انتخابی منظر نامہ (۷)

(۱۶) دہلی

لوک سبھا کی نشستیں: ۷ — اسمبلی کی نشستیں: ۷۰

پارٹیاں	پارلیمانی الیکشن ۲۰۰۴ء	اسمبلی الیکشن ۲۰۰۸ء
کانگریس	۶	۴۳
بی جے پی	۱	۲۳
آزاد	—	۴

نوٹ: نئی حد بندی سے راجدھانی کی تمام پارلیمانی نشستیں متاثر ہوئی ہیں، پہلے چاندنی چوک پارلیمانی حلقے میں مسلمان فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے۔ اب شمال مشرقی دہلی حلقے میں مسلم رائے دہندگان اس پوزیشن میں ہیں کہ دانشمندی سے کام لیں تو راجدھانی سے پہلی بار لوک سبھا میں ایک مسلمان پہنچ سکتا ہے۔ مشرقی دہلی حلقے میں بھی مسلم ووٹ نتائج پر اثر انداز ہوں گے۔ پہلے کی طرح اس بار بھی مقابلہ دورخی کانگریس اور بی جے پی کے درمیان ہوگا۔ بعض حلقوں میں بہوجن سماج پارٹی اور لوک جن شکتی پارٹی نتائج پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔

(۱۷) گجرات

لوک سبھا کی نشستیں: ۲۶ — اسمبلی کی نشستیں: ۱۸۲

پارٹیاں	پارلیمانی الیکشن ۲۰۰۴ء	اسمبلی الیکشن ۲۰۰۷ء
بی جے پی	۱۴	۱۱۷
کانگریس	۱۲	۶۲
آزاد و دیگر	—	۳

نوٹ: نئی حد بندی سے ریاست کے پارلیمانی حلقے زیادہ متاثر نہیں ہوئے ہیں۔ پہلے کی طرح بی جے پی اور کانگریس کے درمیان دورخی مقابلہ ہوگا۔ بہت حد تک نتائج مسلم ووٹوں پر منحصر ہوں گے جن کی آبادی ۹ فیصد ہے۔

(۱۸) کیرلا

لوک سبھا کی نشستیں: ۲۰ — اسمبلی کی نشستیں: ۱۴۰

پارٹیاں	پارلیمانی الیکشن ۲۰۰۴ء	اسمبلی الیکشن ۲۰۰۶ء	
ایل ڈی ایف	۱۹	سی پی ایم	۶۱
یو ڈی ایف	۱	کانگریس	۲۴
آزاد و دیگر	—	سی پی آئی	۱۷
		آزاد و دیگر	۵۸

نوٹ: یہاں ایل ڈی ایف اور یو ڈی ایف اتحاد کے درمیان مقابلہ ہوتا ہے اور عموماً ایک بار سے زیادہ عوام ایک اتحاد کو کامیاب نہیں بناتے ہیں۔ اس روایت کو توڑنا ہی دونوں اتحاد کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہوتا ہے۔ ریاست میں مسلم ووٹ فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔

(۱۹) آسام

لوک سبھا کی نشستیں: ۱۴ — اسمبلی کی نشستیں: ۱۲۶

پارٹیاں	پارلیمانی الیکشن ۲۰۰۴ء	اسمبلی الیکشن ۲۰۰۶ء	
کانگریس	۹	کانگریس اتحاد	۵۳
آسام گن پریشد	۲	آسام گن پریشد	۲۵
بی جے پی	۲	بی جے پی	۱۰
یو ڈی ایف	—	یو ڈی ایف	۱۰
آزاد و دیگر	۱	آزاد و دیگر	۷

نوٹ: یہاں عموماً کانگریس اور آسام گن پریشد اتحاد کے درمیان دورخی مقابلہ ہوتا ہے لیکن ریاست کی آبادی کا پچیس فیصد مسلم ہیں، اس لئے ان کے ووٹ فیصلہ کن ثابت ہوسکتے ہیں۔ اسمبلی الیکشن میں مسلم سیاسی پارٹی یو ڈی ایف کا تجربہ کامیاب رہا۔ اب لوک سبھا الیکشن میں یہ پارٹی قسمت آزمائے گی جس سے مقابلہ دلچسپ بھی ہوسکتا ہے اور مسلم ووٹوں کی تقسیم کا بھی اندیشہ رہے گا۔

ایجنٹ صاحبان متوجہ ہوں

دعوت کا خصوصی نمبر 'جماعت اسلامی ہند کے ساٹھ سال' جو تقریباً ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور قیمت =/50 روپے ہے۔ ۲۸/مارچ کا شمارہ ہوگا۔ ایجنٹ صاحبان اپنی مطلوبہ تعداد سے جلد از جلد مطلع فرمائیں۔ بصورت دیگر سابقہ آرڈر کے مطابق خصوصی شمارے کی کاپیاں بھیج دی جائیں گی۔

منیجر

مسجد اشاعت اسلام میں خطبۂ جمعہ

انسان کو خود فیصلہ کرنا ہے کہ صحیح راستہ کیا ہے

نئی دہلی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساری دنیا کے لئے رحمت بناکر بھیجے گئے تھے، اور آپؐ کی رحمت کا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ آپؐ نے دنیا کو توحید خالص کی دعوت دی۔ یہ آپؐ کی تعلیم کا سب سے نمایاں اور روشن پہلو ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تاریخ انسانی میں یہ جو نمایاں مقام حاصل ہوا جس کی ہم فضیلت بیان کرتے ہیں اور جس کا سلسلہ کبھی ختم ہونے والا نہیں، وہ دراصل اسی بنیاد پر ہے کہ آپؐ نے دنیا کو خدائے واحد کی بندگی کی طرف پھیرا اور صرف اسی کی بندگی کرنے اور اس کے احکام پر چل کر زندگی گزارنے کی تاکید کی۔ ان خیالات کا اظہار مولانا سید جلال الدین عمری، امیر جماعت اسلامی ہند نے ۱۳/مارچ کو مسجد اشاعت اسلام میں اپنے خطبۂ جمعہ کے دوران کیا۔ انھوں نے کہا کہ اگر یہ عقیدہ صحیح معنوں میں کسی کے دل و دماغ میں بیٹھ جائے تو دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت اسے ڈرا نہیں سکتی۔ وہ سب سے بے خوف و بے نیاز ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ یہ وسیع وعریض کائنات انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ مگر انسان کی بدقسمتی ہے کہ وہ خالق کائنات اور اپنے منعم ومحسن حقیقی کی پرستش کرنے اور اس کا شکر بجا لانے کے بجائے خود کائنات کی پرستش کرنے لگا جو کہ شیطان کا راستہ ہے، جس سے اللہ نے منع کیا تھا کہ "اے آدم کے بیٹو، شیطان کے پیچھے نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور تم میری ہی بندگی کرنا کہ یہی سیدھا راستہ ہے"۔ مولانا نے کہا کہ انسان کے لئے یہ آزمائش ہے کہ خدا سے مانگنے والا بھی پاتا ہے اور دوسروں سے مانگنے والوں کو بھی ملتا ہے۔ اب اسی میں انسان کا امتحان ہے کہ وہ اپنے منعم حقیقی کو خدا مانتا ہے یا جسے اس نے خدا مان رکھا ہے۔ اسے خدا مانتا ہے۔ اب یہ فیصلہ آدمی کو خود کرنا چاہئے کہ اس کے لئے صحیح راستہ کیا ہے اور کس طریقے سے وہ اللہ کا بندہ بن کر رہ سکتا ہے۔ (رپورٹ: عبدالحق فلاحی)

بنام جملہ ارکان حلقہ چھتیس گڑھ

مرکزی مجلس شوریٰ نے رواں میقاتی پالیسی اور پروگرام میں چھتیس گڑھ میں حلقہ کی سطح کا نظم قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا، حلقہ مدھیہ پردیش وچھتیس گڑھ کی مجلس شوریٰ نے بھی اس پر غور کرتے ہوئے رواں میقات کے نصف آخر کے شروع ہی میں یہ نظم قائم کرنے کی سفارش کی ہے۔ چنانچہ محترم امیر جماعت نے چھتیس گڑھ کو حلقہ مدھیہ پردیش سے علیحدہ کرکے ایک مستقل حلقے کی صورت میں منظوری دے دی ہے۔ اب وہاں کے امیر حلقہ کیلئے متعلق ارکان حلقہ سے استصواب پیش نظر ہے۔ براہ کرم دستور جماعت کی دفعہ (۴۷) کو ملحوظ رکھ کر تحریری طور پر مطلع فرمائیں کہ نوتشکیل شدہ حلقہ کی امارت کے لئے آپ کی نظر میں کون رفیق جماعت سب سے زیادہ موزوں ہیں۔ آپ اپنی رائے اس طرح ارسال فرمائیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ ۱۵/اپریل ۲۰۰۹ء تک لازماً مرکز کو موصول ہوجائے۔

نصرت علی (قیم جماعت)

۱۶/مارچ ۲۰۰۹ء

ابوالفاروق شعور کا انتقال

حیدرآباد کے معروف شاعر جناب ابوالفاروق شعور کا ۱۶/ مارچ کو انتقال ہوگیا۔ جناب شعور ایک طویل عرصے سے ادارۂ ادب اسلامی حیدرآباد کے سکریٹری اور شہر میں ادبی سرگرمیوں کے سبب وسیع حلقۂ تعارف رکھتے تھے۔ وہ ایک لمبی مدت سے جماعت اسلامی ہند کے رکن اور جماعت کے حلقہ آندھرا پردیش کے دفتر میں خدمت انجام دیتے تھے۔ 'شعور سخن' کے نام سے ۲۰۰۳ء میں شعور صاحب کا مجموعۂ کلام بھی شائع ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔

انتظار نعیم

جنرل سکریٹری ادارۂ ادب اسلامی ہند

کس ریاست میں لوک سبھا کی کتنی نشستیں

ریاست	کل نشستیں	جنرل	درج فہرست ذاتوں	درج فہرست قبائل
آندھرا پردیش	۴۲	۳۲	۷	۳
اروناچل پردیش	۲	۲	—	—
آسام	۱۴	۱۱	۱	۲
بہار	۴۰	۳۴	۶	—
جھارکھنڈ	۱۴	۸	۱	۵
گوا	۲	۲	—	—
گجرات	۲۶	۲۰	۲	۴
ہریانہ	۱۰	۸	۲	—
ہماچل پردیش	۴	۳	۱	—
جموں وکشمیر	۶	۶	—	—
کرناٹک	۲۸	۲۱	۵	۲
کیرلا	۲۰	۱۸	۲	—
مدھیہ پردیش	۲۹	۱۹	۴	۶
چھتیس گڑھ	۱۱	۶	۱	۴
مہاراشٹر	۴۸	۳۹	۵	۴
منی پور	۲	۱	—	۱
ناگالینڈ	۱	۱	—	—
اڑیسہ	۲۱	۱۳	۳	۵
پنجاب	۱۳	۹	۴	—
راجستھان	۲۵	۱۸	۴	۳
سکم	۱	۱	—	—
تملناڈو	۳۹	۳۲	۷	—
تریپورہ	۲	۱	—	۱
اترپردیش	۸۰	۶۳	۱۷	—
اتراکھنڈ	۵	۴	۱	—
مغربی بنگال	۴۲	۳۰	۱۰	۲
دہلی	۷	۶	۱	—
چنڈی گڑھ	۱	۱	—	—
دادر نگر حویلی	۱	۱	—	—
لکشدیپ	۱	—	—	۱
انڈمان نکوبار	۱	۱	—	—
دمن اینڈ دیو	۱	۱	—	—
میزورم	۱	—	—	۱
میگھالیہ	۲	—	—	۲
پانڈیچری	۱	—	—	۱
کل	۵۴۳	۴۱۲	۸۴	۴۷

دعوت

ایک غیر معمولی پیشکش

جماعت اسلامی ہند کے ۶۰ سال

اکابر جماعت کی نظر میں

● جماعت اسلامی ہند کا قیام اور اس کا پس منظر ● نصب العین ● حالات اور مسائل ● ساٹھ سالہ سفر کا اتار چڑھاؤ ● مشکلات اور آزمائشیں ● تجربات و مشاہدات ● خدمات ● اہداف ● ترجیحات ● پیش رفت

جماعت کی دستاویزی پیشکش جس سے ملک میں تحریک اسلامی کی بنیادوں اور اس کی تاریخ کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور تحریک کو مضبوط و مزید فعال بنانے میں رہنمائی حاصل ہوگی۔

جماعت کی یگانہ روزگار شخصیات

☆ مولانا محمد شفیع مونس ☆ مولانا سید جلال الدین عمری ☆ مولانا محمد سراج الحسن ☆ ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری ☆ مولانا عبدالعزیز ☆ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی ☆ ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی ☆ مولانا محمد ارتضاء الدین حاذق ضیائی سہرامی

ان حضرات کے علاوہ

● محمد جعفر (نائب امیر جماعت) ● پروفیسر کے اے صدیق حسن (نائب امیر جماعت) نصرت علی (قیم جماعت) ● سے ان کے میدان کار سے متعلق گفتگو اور ● ڈاکٹر محمد رفعت کی فکر انگیز تحریر

صفحات 250 — تاریخ اشاعت ۲۸/مارچ ۲۰۰۹ء — قیمت -/50

وِناش نہیں وِکاس چاہیے

سید افتخار احمد
(مدیر مراٹھی ہفتہ وار "شودھن")

جس طرح انسان کو خوشحالی وسلامتی کی زندگی گزارنے اور ترقی کرنے کے لئے پرامن ماحول کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح کسی ملک وقوم کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے بھی امن وشانتی کا ماحول ضروری ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں آزادی کے ساتھ ہی تباہی وبربادی کا سلسلہ چل پڑا۔ لاکھوں انسانوں کے قتل عام کے ساتھ ساتھ ہندوستان اور پاکستان نے آزادی کا استقبال کیا۔ اس کے بعد تقریباً ۴۵ برسوں تک ملک کے طول وعرض میں کم وبیش پچاس ہزار چھوٹے بڑے فرقہ وارانہ فسادات ہوئے جن میں ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بنے، لاکھوں لوگ زخمی اور بے گھر ہوئے اور ملک کی کھربوں روپے کی جائداد کو تباہ کیا گیا۔ مگر گزشتہ دو دہائیوں میں جس قدر تباہی وبربادی ہوئی ہے وہ ملک کے خوش آئند مستقبل کے لئے سنگین خطرہ ہے۔

آزادی کے بعد سے ۱۹۹۰ء تک ملک نے تقریباً ہر محاذ پر ترقی کی ہے۔ بنیادی صنعت کاری کا جو وسیع منصوبہ پنڈت جواہر لال نہرو کی حکومت نے بنایا تھا اس کے بل بوتے پر ہمارے ملک نے تقریباً تمام صنعتوں میں جو نمایاں ترقی کی ہے وہ واقعی قابل تحسین ہے۔ ایک ایسا ملک جو تقریباً دو سو سال تک انگریزوں کی غلامی میں جکڑا رہا، آزادی کے بعد نصف صدی کے اندر ہی اس قابل ہو گیا کہ نہ صرف وہ اپنی تمام ضرورتوں کو پورا کرسکتا ہے بلکہ دیگر ممالک کو برآمد کرنے کی پوزیشن میں بھی ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک کی یہ بیش بہا ترقی فرقہ پرست اور تخریب کار سیاستدانوں کو پسند نہ آئی۔ ملکی قیادت پر سیاست کے ذریعے قبضہ کرنے کے لئے انھوں نے ایسے راستے اختیار کئے جنھوں نے ملک کی ترقی پر تو روک لگا ہی دی اس کی سالمیت پر بھی سوالیہ نشان لگا دیا۔ ان طاقتوں نے پہلے مذہب کے نام پر شہریوں کے درمیان نفرت کے بیج بوئے اور دو مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان وسیع خلیج ڈال کر اس ملک کو آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا کر دیا۔ یہ طاقتیں جس طرح کے منصوبے بنا رہی ہیں وہ اس ملک کی سالمیت کے لئے سخت خطرناک ہیں، جسے انھوں نے پہلے ہی کھوکھلا کر دیا ہے۔

ملک کا موجودہ جمہوری ڈھانچہ بھی ان پارٹیوں کو پسند نہیں ہے۔ اس ملک سے جمہوری نظام کو ختم کرکے وہ اسے ایک ایسا راشٹر بنانا چاہتی ہیں جس کی اصل فاشزم سے مختلف نہیں ہے۔ وہ ملک کا موجودہ دستور اور اس کے ذریعے شہریوں کو دیئے گئے بنیادی حقوق اور آزادی کی ضمانتوں کو ختم کرکے ایک ایسا نظام یہاں قائم کرنا چاہتے ہیں جہاں سارے شہری محض غلام ہوں گے۔ ان طاقتوں نے ہندوستانی افواج کو بھی اس گھناؤنی سازش میں شریک کرنے کی کوشش کی بلکہ غیر ممالک سے بھی تعلقات قائم کئے ہیں جو اس ملک کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ یہ طاقتیں اپنے عزائم میں کامیاب نہیں ہونے پائیں گی۔

ملک کی ترقی کے لئے صنعتوں کا قیام نیز سائنسی اور تکنیکی علوم میں اضافہ ناگزیر ہے۔ اس کے لئے سب سے زیادہ ضرورت پرامن اور آزاد ماحول کی ہے۔ آزادی کے بغیر انسان غور وفکر نہیں کرسکتا، نہ بحث ومباحثہ میں حصہ لے سکتا ہے۔ نہ اپنا کوئی ذاتی نقطۂ نظر رکھ سکتا ہے اور نہ دوسروں کی علمی وفکری صلاحیتوں سے مستفید ہو سکتا ہے۔ یہ تمام کام تخلیقی عمل کو جاری وساری رکھنے کے لئے ازحد ضروری ہیں اور کوئی تخلیقی عمل خوف و ہراس تباہی وبربادی کے ماحول میں نہیں پنپ سکتا۔ ضروری ہے کہ ملک وقوم معاشرہ اور افراد کی ترقی کے لئے پرامن بقائے باہم کے اصول پر ایسا ماحول قائم ہو جس میں تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے علوم وتجربات سے فائدہ اٹھانے اور فائدہ پہنچانے کے مواقع ملیں۔

ملک کی ترقی کا محض یہ مقصد نہیں ہو سکتا کہ ذرائع ومسائل اور قومی دولت صرف چند ہاتھوں میں رہیں اور اس کے عام شہری بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم رہیں بلکہ ایسی ترقی جس سے ایک ایک شہری کی ضرورتیں پوری ہوں وہی ملک اور قوم کو خوشحال بنا سکتی ہے۔ ہمارے ملک میں بدقسمتی سے آج بھی ۳۵ فیصد لوگ انتہائی غریبی ومفلسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ گزشتہ دو دہائیوں پہلے یہ تناسب ۲۶ فیصد تھا، مگر جب سے یہاں فتنہ وفساد کا دور شروع ہوا ہے یہ تناسب بڑھ گیا ہے۔ ہر سال ہزاروں کسان خودکشی کرنے پر مجبور ہیں۔ دلتوں پر مظالم میں کوئی کمی نہیں آرہی ہے۔ ان کی عورتوں کی آبروریزی اور برہنہ کرکے شاہراہوں پر گھمانے کے واقعات میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے۔ ان طاقتوں نے ملک کی تمام اقلیتوں اور پسماندہ طبقات کے خلاف موقع بہ موقع خونریز فسادات اور قتل عام کئے ہیں۔ ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے خلاف تو آزادی سے قبل ہی ملک میں نفرت اور دشمنی کا ماحول رہا ہے۔ لیکن سکھوں کے خلاف ۱۹۸۴ء کے بعد سے اور گزشتہ چند برسوں سے عیسائیوں کے خلاف مہاراشٹر، گجرات، اڑیسہ، مدھیہ پردیش اور کرناٹک میں جس طرح کا نفرت انگیز اور تباہ کن ماحول بنا دیا گیا ہے وہ اس ملک کے پرامن اور ترقی پذیر ماحول کے لئے بے حد نقصاندہ ہے۔

ملک کی تباہی کے لئے فرقہ پرستوں اور فسطائیوں کے منصوبے ہی کچھ کم نہ تھے کہ یہاں کا حکمراں طبقہ بھی، جو بظاہر تو سیکولرزم اور جمہوریت کا دم بھرتا ہے، اپنے اقتدار کو باقی رکھنے اور مضبوط کرنے کے لئے وہی اوچھے مگر خطرناک ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے جو فسطائی طاقتیں استعمال کرتی ہیں۔ اس پر مستزاد مغربی تہذیب کے اثرات ہیں جو ملک کو تباہی کی طرف دھکیلنے کا کام زیادہ تیزی سے انجام دے رہے ہیں۔ عریانیت، بے حیائی، فحاشی، جنسی بے راہ روی کا دور دورہ ہے۔ خواتین پر جنسی مظالم کا گراف روز افزوں ہے۔ وزارت انسانی وسائل نے جلتی پر تیل ڈالنے کا کام کیا اور ملک میں پرائمری جماعتوں سے ہی جنسی تعلیم رائج کرنے کا منصوبہ بنا کر ملک کی ترقی کے تابوت میں تباہی کی ایک اور کیل ٹھونکنی چاہی۔ فیشن، دکھاوا اور عیش پرستی نے، جو کم آمدنی میں ممکن نہیں، فضول خرچی کی راہیں کھول دی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دولت بٹورنے اور جلد از جلد امیر بننے کی ہوڑ نے جہاں کرپشن اور کالے دھندوں میں اضافہ کیا ہے وہیں قتل اولاد کے شیطانی عمل کے لئے بھی جواز فراہم کر دیا ہے۔ چنانچہ ہمارے سماج میں بیٹیوں کو پیدا ہونے سے قبل ہی مارنے کا قبیح عمل بڑی تیزی سے جاری ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ملک میں سالانہ پانچ لاکھ بیٹیوں کو رحم مادر میں پیدائش کے فوراً بعد مار ڈالا جاتا ہے۔ اس وقت ملک کی آبادی میں مردوں اور خواتین کا تناسب ۱۰۰۰:۹۰۰ ہے۔ بعض ریاستوں میں یہ ۱۰۰۰:۸۰۰ ہے۔ اگر یہ صورت برقرار رہی تو چند برسوں میں ہی ملک جنگل بن جائے، خواتین کی عزت مزید خطرے میں پڑ جائے گی، ان کے ساتھ زیادتی کے واقعات میں اضافہ ہوگا اور سرعام لڑکیاں اغوا ہونے لگیں گی۔

ملک کو برباد کرنے کے لئے علاقائیت کی آگ بھی پھر سے بھڑکائی جارہی ہے۔ شمالی ہند کے باشندوں کے ساتھ مہاراشٹر میں کی گئی بدسلوکی اور کرناٹک سے سرحدی تنازعہ اس کی مثال ہے۔ اس جن کو اگر بوتل سے نکلنے دیا گیا تو ملک کو تاراج کرنے کے لئے یہ اکیلا کافی ہوگا۔

ان حالات میں ملک کے ہر شہری کی ذمہ داری ہے کہ وہ آئندہ انتخابات میں وناش نہیں وکاس کا نعرہ لگائیں۔ جو حکومت اور جو سیاسی پارٹیاں ملک اور قوم کی ترقی کا پروگرام بنا کر اسی ایک مقصد کے لئے حکومت سازی کی بات کریں۔ ان ہی کے حق میں تمام شہری اپنے ووٹ کا استعمال کریں۔

ملک کے عوام کو چاہئے کہ وہ جذباتی نعروں، مذہبی اور علاقائی منافرت اور مندر ومسجد کے جھگڑوں کو بڑھاوا دینے والے سیاسی بازی گروں کو ملکی سیاست سے نکال پھینکیں اور ان سیاسی پارٹیوں کو، جنھوں نے عوام کے مذہبی جذبات کا استحصال کرکے ہی سیاست وحکومت کرنے کا عزم کیا ہوا ہے۔ ہرگز ان کے مقاصد کو حاصل کرنے نہ دیں۔ یہ طاقتیں اصل میں ملک کی ایک عظیم اکثریت کو غریبی، بیروزگاری اور جہالت میں مبتلا رکھنا چاہتی ہیں۔ جس ملک کے شہریوں کی روزانہ آمدنی محض بیس روپے ہو وہ زبان نہ کھولے اس لئے اس کو مندر، مسجد اور آتنک واد وغیرہ مصنوعی خطرات میں پھنسا کے رکھا ہے۔ یہ نہیں چاہتیں کہ ملک کے حالات پرامن رہیں اور سب کو ترقی کے برابر مواقع ملیں ورنہ جن طبقات کو کمزور اور پسماندہ رکھا جاتا ہے وہ ترقی کرکے ان کے لئے چیلنج بن جائیں گے۔ ان تخریبی قوتوں کو شکست دیئے بغیر ملک اور قوم ترقی سے ہمکنار نہیں ہو سکتے۔

موجودہ الیکشن میں ہم انہی سیاسی جماعتوں کی حمایت کریں جو کم ازکم:

● ذات پات کی لعنتوں، طبقاتی کشمکش، علاقائیت اور تہذیبی ولسانی جھگڑوں کو پنپنے نہ دیں۔ ● فرقہ پرستی، فسطائیت اور دہشت گردی کے خلاف سخت اقدامات کریں ● اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں، پسماندہ طبقات اور آدی باسیوں کو ان کے مکمل دستوری حقوق دیں ● ملک کو اخلاقی قدروں سے آراستہ کریں اور عریانی، فحاشی اور جنس زدہ ماحول کو پوری طرح سے ختم کریں ● کرپشن، شراب، بدعنوانیوں، جوا اور لاٹری سے سماج کو پاک کریں ● پینے کا صاف ستھرا پانی میسر کرائیں گاؤں اور شہروں میں پختہ سڑکوں کی تعمیر کروائیں۔ ● لوڈ شیڈنگ ختم کی جائے اور ہر چھوٹے بڑے قصبہ ودیہات میں بجلی کی فراہمی کریں۔ ● تعلیم کی سہولتیں، تعلیمی وظائف اور دیگر ضروریات پوری کرسکیں ● صحت عامہ کے بہتر سے بہتر انتظامات چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں بھی تمام شہریوں کو فراہم کریں۔

یہ کم سے کم ترقیاتی پروگرام ہیں جن کا مطالبہ کرنا ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ آزادی کے ساٹھ سال بعد بھی ان بنیادی حقوق کے حصول میں جو طاقتیں تخریب کاری کے ذریعے رکاوٹ بنی ہوئی ہیں ان کو ختم کرنا سب کی ذمہ داری ہے۔

●●

آپ خدا کی دُنیا میں ہیں

آصف ریاض

انسان جب اس دنیا میں آتا ہے یہاں کی ہر چیز اسے اجنبی معلوم پڑتی ہے۔ کبھی وہ چاند تاروں کو نہارتا ہے، تو کبھی زمین پھاڑ کر نکلنے والے معصوم پودوں کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ کبھی سمندر کی انگڑائیوں سے لطف اندوز ہوتا ہے، تو کبھی اونچے اونچے پہاڑوں کو دیکھ کر حیرت کا مجسمہ بن جاتا ہے۔ وہ یہ سوچنے لگتا ہے کہ اس خوبصورت دنیا کے پیچھے ضرور کوئی خوبصورت ہستی ہے۔ وہ اس عظیم ہستی کی تلاش میں لگ جاتا ہے۔ سب سے پہلے انسان کے دماغ میں جو سوال ابھرتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ جس دنیا میں رہ رہا ہے اس کا خالق کون ہے؟ یہاں اسے کس لئے بھیجا گیا ہے؟ اس کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ وغیرہ۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ اسے ان سوالوں کا جواب مل جائے۔ لیکن رفتہ رفتہ انسان اپنے اردگرد کے ماحول میں اس طرح گم ہو جاتا ہے کہ دنیا کی رنگینی اور اس کی بے پناہ خوبصورتی اسے ایک عام چیز معلوم ہونے لگتی ہے۔ اب وہ دنیا کو دیکھ کر چونکتا نہیں۔ انسان اپنے اردگرد دیکھتا ہے تو پاتا ہے کہ بہت کم لوگ ہیں جو اس دنیا کے خالق کے معاملے میں سنجیدہ ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ دنیا کے زیادہ تر لوگ کھانے کمانے میں مصروف ہیں اور اسی کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہیں۔ انھیں دیکھ کر وہ بھی کمانے کھانے میں لگ جاتا ہے۔ اب اس کی سوچ کا زاویہ بدل جاتا ہے۔ وہ سوچنے لگتا ہے کہ دنیا اس لئے ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہو اجائے۔ انسان خدا کی اس خوبصورت دنیا کو لطف اندوزی کا سامان سمجھ لیتا ہے۔ اور اسی کے احساس میں جینے لگتا ہے۔ انسان کا مطمح نظر دنیا ہو جاتی ہے نہ کہ خالق دنیا۔ وہ زمین پر پھیلے خدائی دسترخوان پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ پہاڑوں کو دیکھ کر وہ حیرت کا مجسمہ نہیں بنتا۔ سمندر کی انگڑائیاں اس کے دل میں کوئی انگڑائی پیدا نہیں کرتیں۔ تاروں کی جگمگاہٹ اس کی آنکھوں کو خیرہ نہیں کرتی۔ چاند کی مدھم روشنی میں وہ اپنے لئے کوئی پیغام نہیں پاتا۔ سورج کی روشنی میں اسے کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ زمین پھاڑ کر نکلنے والے معصوم پودے اسے دعوت فکر ونظر نہیں دیتے۔ ماں کے پیٹ سے نکلنے والا بچہ اسے محوِ حیرت نہیں کرتا۔ انسان اپنے آپ کو اندھا بہرا اور گونگا بنا لیتا ہے۔ خدا کی دنیا میں اسے خدا کا جلوہ نظر نہیں آتا۔

اب وہ سوچتا ہے، لیکن نہیں سوچتا۔ وہ جانتا ہے، لیکن نہیں جانتا۔ وہ دیکھتا ہے، لیکن نہیں دیکھتا۔ وہ ایک چیز جانتا ہے اور دوسری چیز نہیں جانتا۔ وہ آسمان کو جانتا ہے اس کے خالق کو نہیں جانتا۔ وہ زمین کو جانتا ہے، اس کے مالک کو نہیں جانتا۔ وہ پہاڑوں کو جانتا ہے لیکن اس کے بنانے والے کو نہیں جانتا۔ وہ دنیا کو جانتا ہے لیکن مالک دنیا کو نہیں جانتا۔ اب دنیا میں وہ اپنے آپ کو اجنبی اور بے بس نہیں پاتا۔ خدا کی یہ دنیا اسے عیش ومستی کی جگہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس دنیا میں اس کی ضرورت اور خواہشات نفسانی کی تکمیل کے لئے بہت سی چیزیں موجود ہیں۔ وہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے اس دنیا کو استعمال کرنے لگتا ہے۔ وہ دنیا میں اس قدر مصروف ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو دنیا کا حصہ بنا لیتا ہے۔ یہاں تک کے وہ بھول جاتا ہے کہ وہ اپنی دنیا میں نہیں ہے، بلکہ خدا کی دنیا میں ہے۔ وہ دنیا کو اپنی ملکیت سمجھنے لگتا ہے۔ انسان یہاں اپنے حساب کی دنیا چاہتا ہے لیکن اس کی یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوتی، یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے حسرت ویاس کا مجسمہ بن کر رخصت ہو جاتا ہے۔ انسان یہاں پائیداری چاہتا ہے لیکن اسے ناپائیداری ملتی ہے، انسان طاقت چاہتا ہے لیکن اسے بے طاقتی ملتی ہے۔ انسان یقینی چاہتا ہے لیکن اسے بے یقینی ملتی ہے۔ انسان زندگی چاہتا ہے لیکن اسے موت ملتی ہے۔ غرض یہ کہ اس کی کوئی بھی خواہش پوری نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ وہ اس دنیا سے نہایت کسمپرسی کی حالت میں رخصت ہو جاتا ہے۔

انسان کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ یاد رکھے کہ وہ اپنی بنائی ہوئی دنیا میں نہیں ہے بلکہ خدا کی دنیا میں ہے۔ 'اپنی دنیا' کی سوچ انسان کے اندر کفر کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ 'خدا کی دنیا' کی سوچ انسان کے اندر شکر کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اور بلاشبہ شکر اسلام کا دوسرا نام ہے۔

●●

صحت کی قدر کیجئے

توفیق احمد ناصر صدیقی

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صحت وتندرستی کو بیماری کی حالت سے بہتر جانو۔ صحت وتندرستی کی حالت میں ہم شوق ورغبت سے کھاتے پیتے ہیں۔ دوست احباب اور عزیز واقارب کی محفلوں اور تقاریب میں شریک ہوتے ہیں۔ مسجد میں نماز کے لئے جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ، مگر بیماری کی حالت میں ہم بستر پر پڑے رہتے ہیں۔ نہ کھانا پینا من پسند ہوتا ہے اور نہ چلت پھرت آزادی سے ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں صحت وتندرستی کی نعمت کی قدر ہوتی ہے۔ مگر افسوس ہم تندرستی کی حالت میں اپنے رب کا کم ہی شکر ادا کرتے ہیں۔

ایک بات یہ قابل غور ہے کہ جو بھی ایجاد ہوتی ہے وہ کسی نہ کسی مقصد کے لئے ہوتی ہے، مثلاً کار کی ایجاد کا مقصد متعین ہے۔ ٹیلی ویژن کی ایجاد کا مقصد معلوم ہے۔ غرض ہر ایجاد اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اگر غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ انسان کی تخلیق کا بھی مقصد ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ جو بھی مصنوعات مارکیٹ میں آتی ہیں ان کے ساتھ ایک بروشر (کتابچہ) بھی ہوتا ہے جس میں اس چیز کے متعلق ضروری معلومات اور ہدایات تحریر ہوتی ہیں اور کوئی نقص پیدا ہونے کی صورت میں صرف مقرر کردہ ماہرین سے رجوع کرنے کی ہدایت ہوتی ہے۔ غور کیجئے کہ جب انسان نے اپنی مصنوعات سے متعلق بروشر دینا ضروری سمجھا ہے تو کیا اللہ نے جو خالق ہے، انسان کی ہدایت کے لئے بروشر نہیں دیا ہوگا؟ یقیناً دیا ہے اور یہ بروشر قرآن مجید ہے۔ اور اللہ کا رسولؐ اس کے مطابق ماہر امراض جسمانی و روحانی ہے۔ لہٰذا انسان کی پیدائش کا مقصد قرآن پاک نے سورۃ الذاریات کی آیت ۵۶ میں بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں"۔

عبادت کا مفہوم ہے اطاعت، فرمانبرداری، محکومی، وابستگی اور دلی تعلق۔ لہٰذا ہماری تخلیق کا مقصد ہے کہ ہم اس طرح زندگی گزاریں جو اللہ نے اپنے رسول محمد ﷺ کے ذریعے ہمیں تعلیم دی ہے۔ اگر ہم قرآن وسنت کے مطابق اپنے شب وروز بسر کریں گے اور اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم کی خلاف ورزی پر ندامت محسوس کرکے اللہ سے توبہ واستغفار کریں گے تو ہمارا سونا، جاگنا، کھانا، پینا اور چلنا پھرنا سب عبادت میں شمار ہوگا۔

جس طرح ہم ہر اس چیز کو جو اپنی افادیت کھو دیتی ہے، مرمت کرا کر پھر استعمال کرتے ہیں، اسی لحاظ سے یوں سمجھ لیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری غلطیوں اور گناہوں سے پیدا ہونے والی خرابیوں کو ٹھیک کرنے کے لئے ہمیں بیماری اور تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے جو ہمارے گناہوں کو دھو ڈالنے کا سبب بنتا ہے اور ہمیں تنبیہ ہوتی ہے کہ ہم صحتیاب ہو کر اس کی عبادت میں لگ جائیں۔

ایک بات جو ہمیں قرآن کریم سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم پر جو بھی مصیبت آتی ہے خواہ بیماری کی صورت میں یا حادثے کی وجہ سے، وہ پہلے سے مقدر ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ الحدید کی آیت ۲۲ اور ۲۳ کا مفہوم ہے: "کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین میں (مثلاً قحط سالی، سیلاب وغیرہ یا تمہارے اپنے نفس پر مثلاً بیماری، تنگ دستی اور اولاد کا نہ ہونا وغیرہ) نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (نوشتۂ تقدیر) میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے کیونکہ وہ خالق کائنات اور علیم وخبیر ہے۔ یہ اس لئے بتایا جا رہا ہے تاکہ تمہاری تدبیر کے باوجود تمہیں جو کچھ بھی نقصان ہو اس پر دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری کوشش سے یا محنت وتدبیر سے تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جاؤ، اس لئے کہ تمہاری کوشش بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی سے بارآور ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور گھمنڈ کرتے ہیں اور دوسروں پر فخر جتاتے ہیں"۔

اس آیت کے مطابق اگر کسی بیماری یا تکلیف میں یا حادثے میں کوئی مبتلا ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ پہلے سے مقدر میں لکھا ہوا تھا۔ دوسرے الفاظ میں جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا اور اسی وقت ہوا جب اس کے ہونے کا وقت آیا، کیونکہ یہ بات قرآن کی سورۃ الرعد اور الطارق میں بتا دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے بھی پیدا کئے ہیں جو نہ صرف اس کا نامۂ اعمال یعنی قول وفعل کا ریکارڈ مرتب کرتے رہتے ہیں بلکہ اس کی نگہبانی اور حفاظت کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔ لہٰذا جب تقدیر میں لکھا حادثہ یا بیمار ہونے کا وقت آتا ہے تو فرشتے اس کی حفاظت سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ اس حقیقت کی روشنی میں آدمی کو صبر اور حوصلے سے کام لینا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ اس کیلئے لازم ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کی جائے اور اپنی صحت یابی کیلئے دعائیں مانگی جائیں۔ نماز پڑھی جائے کیونکہ نماز دعا کی بہترین صورت ہے جس میں بندہ براہ راست اپنے رب سے مناجات اور کلام کرتا ہے۔

●●

حیات رسولؐ ہمارے لئے اسوۂ کاملہ ہے

فوزیہ بنت محمود
الخبر (سعودی عربیہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس آدمی کو تروتازہ رکھے جس نے مجھ سے حدیث سنی اور اسے (جوں کا توں) آگے پہنچا دیا (کیونکہ) اکثر وہ لوگ جن کو حدیث پہنچائی گئی ہو سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (صحیح ابن ماجہ) نبی اکرم ﷺ سے محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے اور آپؐ کی پیروی ہمیں دراصل اللہ کی محبت کا مستحق بناتی ہے۔ اللہ کے رسولؐ کی زندگی ہمارے لئے اسوۂ کاملہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت گلوں سے مزین وہ باغ ہے کہ جس کے جتنے پھول چن کر ہم اپنے دامن میں سمیٹیں گے ہمیں بھی معطر کر دیں گے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہماری زندگیوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ جس پر چل کر ہم آخرت میں اپنی منزل مقصود پا سکتے ہیں۔ صرف عبادات کی حد تک ہی ہمیں اسوۂ رسولؐ کی پیروی نہیں کرنی بلکہ زندگی کے ہر معاملات میں اللہ کے رسول ﷺ ہماری رہنمائی کر گئے ہیں۔ چاہے وہ معاملات ہوں یا معاشرت، سیاست ہو یا ثقافت، تعلقات ہوں یا تجارت ہر پہلو سے ہماری مکمل رہنمائی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں حاصل ہوگی۔

آج کا انسان سب سے مصروف زندگی گزار رہا ہے۔ آپ جس سے ملیں گے وہ ضرور آپ سے وقت کی تنگی کی شکایت کر رہا ہوگا۔ بہت مصروف ہے۔ کیا واقعی آج ہم اتنے مصروف ہیں کہ جس رب نے ہمیں اس دنیا میں بھیجا۔ ہمیں انسان بنایا اس رب کی عبادت کے لئے ہمارے پاس وقت نہیں۔ اور انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت جاننے یا سننے کا بھی وقت ہمارے پاس نہیں۔ جو اپنی امت کے لئے ہر وقت فکرمند رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن میں مخاطب فرمایا: "اے نبیؐ! شاید تم غم کے مارے اپنی جان کھودو گے ان کے پیچھے"...... وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمت للعالمین کے لقب سے نوازا۔ جنھوں نے دکھی اور سسکتی دنیا کو اسلام کا پیغام پہنچایا اور ان کے دکھوں کا مداوا کیا۔ وہ جنھوں نے ہمیں آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچایا۔ زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کی۔ ہماری تعلیم کا انتظام کیا۔ ہمارا تزکیہ کیا۔ ہمیں وہ کچھ بتایا جو ہم نہیں جانتے تھے۔ کیا آج انہی کے لئے ہمارے پاس وقت نہیں۔ یہ مہینہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جس مقصد کے لئے آئے تھے اس کی تکمیل کے لئے ہم بھی اپنی جان اس میں گھلا دیں۔ آپ کا مشن تھا کہ اللہ کے دین کو اس کے بندوں تک پہنچا دیں۔ جس کی گواہی نبی اکرمؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر لی تھی کہ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ آپ نے اس پر اللہ جل شانہ کو گواہ بنایا: "اے اللہ تو گواہ رہنا"۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے گواہی لینے کے بعد فرمایا تھا جو شخص موجود ہے وہ غیر موجود تک (میری باتیں) پہنچا دے۔ (صحیح بخاری) اب آگے کی ذمہ داری ہماری ہے۔ آپ آخری نبیؐ تھے اور ہم آپ کی امت آخری امت۔

آج امت مسلمہ آپؐ سے محبت کے دعوے تو بہت کرتی ہے، لیکن پیروی میں بہت پیچھے ہے۔ دعوے اور عمل میں بڑا فرق ہے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی آپؐ سے محبت کی لیکن سب سے بڑھ کر انھوں نے اپنی محبت کا ثبوت اپنے عمل سے پیش کیا۔ ہم سمجھتے ہیں کچھ جلسے کرکے جلوس نکال کر، اس ماہ میں بچوں کو دودھ بانٹ کر یا آپ کا نام آنے پر آنکھوں کو چوم کر ہم نے اپنی محبت کا اظہار کر دیا۔ جبکہ ہمارے معاملات سنت کے خلاف، ہمارا لین دین، تجارت، سیاست، شادی بیاہ، پیدائش اور موت کی رسوم سب کے سب سنت کے برخلاف۔ ہم نے دین کو الگ کر دیا۔ دین کو صرف مسجد اور مدرسوں تک محدود کر دیا۔ جبکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بقول آپ قرآن کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔ آج دنیا میں مسلمان ۱۰۵ بلین کی تعداد میں ہیں لیکن کیا آج ہمارے اخلاق ایسے ہیں کہ جسے دیکھ کر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں۔ مسلمان ہونے والوں کی اکثریت کا بیان ہے کہ انھوں نے اسلام کا گہرائی سے مطالعہ کیا تب انھوں نے اسلام قبول کیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہ ہم مسلمانوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے۔ پھر بھی اللہ کے کچھ نیک بندے ایسے ہیں جو دین کی تبلیغ کا کام اپنے اخلاق سے، اپنے کردار سے کر رہے ہیں۔

یہ مہینہ ہمیں اس اہم بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ ہم بھی اپنی زندگی کا ایک مقصد بنا لیں۔ تبلیغ دین، اشاعت دین، جتنی جس کی استطاعت ہو سیرت کے پیغام کو عام کیا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے لائے ہوئے پیغام کو عام کیا جائے۔ یہی ہم امت مسلمہ کی اصل ذمہ داری ہے۔ یہ مہینہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ جس نبی امی نے صرف ۲۳ سال کے مختصر عرصے میں اس دین کو نافذ کرکے دکھایا وہ کام ہمیں بھی کرنا ہے۔ ہم اپنی زندگی کا ایک مقصد بنا لیں۔ ہمارا نصب العین، مشن یہی ہو کہ ہمیں دامے، درمے، سخنے اس کام کو انجام دینا ہے۔ آپؐ نے ہمیں تاکید کی تھی بلغوا عنی و لو آیۃ "پہنچاؤ مجھ سے چاہے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو"۔ ہم چھوٹے چھوٹے کاموں سے ابتداء کریں۔ کوئی اچھی کتاب راہ چلتے ہوئے بس میں، ٹرین میں کسی کو دے دیں۔ کوئی اچھی سی ڈی یا آڈیو کیسٹ ہو پمفلٹ جس میں اسلام کا مختصر تعارف ہو۔ یا پھر کوئی ایسا کتابچہ یا پمفلٹ جس میں بتایا گیا ہو کہ اللہ کے رسولؐ صرف مسلمانوں کے لئے نہیں آئے بلکہ کافۃ للناس "تمام انسانوں" کے لئے آئے۔ صرف مسلمانوں کے لئے آپ کی ذات رحمت اور شفقت والی نہیں تھی بلکہ آپؐ رحمت للعالمین تھے۔ تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے۔

سب سے پہلے آپؐ کے اخلاق کریمانہ کو ہم مسلمان خود اپنی زندگیوں میں شامل کر دیں۔ آپؐ کی سنتوں پر عمل، آپؐ کے سونے جاگنے کے آداب، یہ مہینہ ہمیں یاددہانی کراتا ہے کہ ہم چھوٹی چھوٹی سنتوں کو زندہ کریں۔ کیونکہ عمل وہی مقبول ہوگا جو خلوص کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہوگا۔ کئی برسوں سے ہم یہی دیکھتے آرہے ہیں کہ جیسے ہی ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے، جلسے جلوس، نعتیں، مختلف قسم کے پروگرام منعقد کئے جاتے ہیں۔ لیکن یہ تو وہی طریقہ ہوا جیسا کہ نصاریٰ نے کیا کہ صرف کرسمس کے وقت خوب ہلا گلا کرکے کرسمس منالیا اور باقی سال بھر بھولے رہے۔ صرف ایک دفعہ کسی کی پیدائش یا موت کی تقریب کرکے کیا ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے حق ادا کر دیا پھر عیسائی اور مسلمانوں میں فرق ہی کیا رہا؟ ہمیں تو پوری زندگی سنت پر عمل کرنا ہے اس پیغام کو سال کے ہر دن میں دوسروں تک پہنچانے کی سعی کرنی ہے۔ بلکہ ہماری زندگی کا مقصد ہی یہ ہو گویا کہ۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں، میں اسی لئے نمازی

اور مسلمان کی پوری زندگی اس آیت کی عملی تفسیر ہو: "میری نماز، میری قربانی، میرا مرنا میرا جینا سب اللہ کے لئے ہے"۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ ایک ماہ خوب دھوم دھام سے عید میلاد منانے کے بعد باقی گیارہ مہینے ہم آرام کی میٹھی نیند سوتے رہتے ہیں۔ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر اتنا بھی حق نہیں کہ ہم اپنی زندگی بھی اسی راہ میں لگائیں جس کی آپؐ نے ہمیں تاکید کی۔ ہم دعوٰی کرتے ہیں کہ آپؐ سے ہمیں بہت محبت ہے لیکن آپؐ کے لائے ہوئے پیغام کو عام نہیں کرتے اسے اپنی زندگی کا مقصد نہیں بناتے۔ آپؐ نے وصیت کی تھی: "میں تمہارے لئے وہ چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ جسے اگر تم نے مضبوطی سے تھامے رکھا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے"۔ یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ۔

تو کیا ہم آج کتاب کو تھامے ہوئے ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی پیروی کر رہے ہیں؟ اسی بات کی ہمیں یاددہانی اس مہینے میں کروائی ہے۔ اس ماہ کا خاص پیغام یہی ہے کہ آئیں تجدید عہد کریں کہ ہماری زندگی آج سے بالکل مختلف ہوگی۔ جو اللہ جل شانہ کے نبی کا مشن تھا، وہی ہمارا مشن بھی ہوگا۔ ہم اسی راہ کے راہی بنیں اور اس کام میں اپنے آپ کو اتنا تھکائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے اور حوض کوثر پر آپؐ کے ہاتھوں ہمیں وہ پیالہ نصیب ہو جس کی تمنا آج ہر امتی کے دل میں ہے لیکن اس کے لئے کوشش شرط ہے۔ اگر ہمیں یہ جاننا ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سے محبت کرتا ہے یا ہم یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری

باقی صفحہ ۵ پر

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in , dawaturdu@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2009 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)

شہید حسن البنا اور مسئلہ فلسطین

◎

۸؍دسمبر ۱۹۴۸ء کی اس وقت کے مصری وزیر اعظم محمود فہمی النقراشی نے جماعت اخوان المسلمین کو تحلیل کرنے، اس کے احوال کو ضبط کرنے اور اس کے بیشتر ارکان کو گرفتار کرنے کا اعلان کیا، اس دن اخوانی رفقاء کے ساتھ امام حسن البناء کی گرفتاری کی بھی اُمید تھی، لیکن ان کو قصداً چھوڑے رکھا گیا، انہوں نے اس آزادی کا فائدہ اٹھا کر تحلیل کرنے کی قرارداد کے خلاف مقدمہ مجلس الدولہ میں خود چار گھنٹے تک پیش کیا، اور اس میں اس سازش کی حقیقت کھول دی جو جماعت کے خلاف شاہی محل کے واسطہ سے برطانوی سامراج کی فوجی چھاؤنیوں میں تیار ہوئی تھی۔ دریں اثناء مصری ذمہ داروں نے امام حسن البناء کی موٹر کار ضبط کر کے اس کے ڈرائیور کو گرفتار کرلیا، ان کے لائسنس یافتہ ہتھیار (پستول) کو واپس لے لیا، اور سایہ کی طرح ان کے ساتھ لگے رہنے والے دو بھائیوں کو گرفتار کرلیا، یہ سب کارروائی ۱۲؍فروری ۱۹۴۹ء کو امام کا ناحق خون کرنے کے لئے تھی جب کہ ان پر قاہرہ کی جمعیۃ الشبان المسلمین میں گولی چلائی گئی، قصر العینی ہسپتال میں تاخیر سے منتقل کیے گئے، مگر وہاں بھی علاج کے بغیر گولی کے زخم سے خون بہنے دیا گیا یہاں تک کہ وہ دنیا سے جدا ہوکر عالم جاودانی میں اپنے رب کے پاس پہنچ گئے، انہوں نے آخری سانس ساڑھے بارہ بجے نصف شب میں لی تھی، مگر ان کے گھر والوں کو ان کی شہادت کی اطلاع صبح دو بجے ہوئی۔

جن ڈاکٹروں نے امام حسن البنا کو ہسپتال میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو ان کا بیان ہے کہ بغل کے نیچے ان کا زخم خطرناک نہیں تھا لیکن شاہی محل کے احکام کے تحت اس کو موت تک خون بہنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔

پھر مزید ستم یہ کہ ان کے جنازے میں کسی مرد کو شریک ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مجبوری میں ان کے والد ماجد کے ساتھ جنازے میں صرف گھر کی خواتین تھیں، اور ایک قبطی رہنما مکرم عبید باشا جنہوں نے حکومت کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جنازہ کی مشایعت کی۔ ظالموں نے سمجھا کہ اخوان المسلمین کے مؤسس و مرشد امام حسن البنا کو اس طرح شہید کر کے خود اخوان کا صفحہ پلٹ دیں گے لیکن ان کی ربانی دعوت نہ مری ہے نہ مرے گی یہاں تک کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اہل زمین کا واحد وارث رہ جائے۔ برطانوی خفیہ محکموں اور ان کے کٹھ پتلی شاہ فاروق کو مصر کے سامراجی جوئے سے آزادی اور مسئلہ فلسطین کے حل کے لئے امام حسن البنا کی اقدامی سرگرمیوں کا خوب اندازہ تھا اس لئے انہوں نے ان کو راستے سے ہٹایا۔ شہید حسن البنا ان دوراندیش و دوربین رہنماؤں میں تھے جنہوں نے امت اسلامیہ کے خلاف

ترجمہ: مسعود الرحمٰن خان ندوی

مغربی صہیونی اتحاد کے خطرہ کو سمجھا تھا اس لئے انہوں نے ۱۹۴۷ء میں اقوام متحدہ کی فلسطین کو تقسیم کرنے والی قرارداد کو مسترد کردیا تھا، چونکہ ان کو یقین تھا کہ ''انگریز و یہود صرف ایک زبان سمجھتے ہیں یعنی طاقت اور بغاوت کی زبان'' اس لئے انہوں نے تمام مسلمانوں اور اخوان کو فلسطین کی عرب- اسلامی حیثیت برقرار رکھنے کے لئے دعوت دی اور کہا: ''فلسطین کی ہر بالشت بھر زمین کی عربیت واسلامیت برقرار رکھنے کے لئے اخوانی اپنی جان ومال قربان کردیں گے۔'' ۶؍مئی ۱۹۴۸ء کو اخوان کو تاسیس مجلس نے حملہ آور یہود کے خلاف مقدس جہاد کے اعلان کی قرارداد منظور کی۔ اس کے بعد جنگ ۱۹۴۸ء کے دوران امام حسن البنا نے اخوانی دستے فلسطین بھیجے، پھر یہی اقدام جماعت کو تحلیل کرنے اور اخوان ونقراشی حکومت کے درمیان تصادم اور آخر کار برطانوی سفارت اور شاہی محل کے ذمہ داروں کے آپ کو ۱۲؍فروری ۱۹۴۹ء کو قتل کرنے کے فیصلہ کا سبب بنا، ان کی شہادت پر اگرچہ ساٹھ برس گزر چکے ہیں لیکن ان کے زندہ وتابندہ افکار کے لئے اب بھی دل دھڑک رہے ہیں، اوران کو ارواح ونفوس دل سے لگائے ہوئے ہیں۔ (جمال الدین شعیب، ۶۰ عاماً مضت علی استشهاده، ہفت روزہ الامان، بیروت)

امام شہید کے نزدیک مسئلہ فلسطین

اسلام اور اہل اسلام کا مسئلہ نمبر ایک ہے، ان کے الفاظ میں یہ ہمارے تمام وطنوں کا دل، ہماری سب سرزمینوں کا جگر گوشہ، ہمارے سرمایہ کا خلاصہ، ہماری اجتماعی حیثیت واتحاد کا سنگ میل ہے جس پر اسلام کی عزت وذلت موقوف ہے۔

انہوں نے اخوان کی پانچویں کانفرنس میں اعلان کیا تھا: اسلامی وطن غیر منقسم کل ہے، اس کے کسی جزء پر حملہ پورے عالم اسلام پر حملہ ہے، اس کو حملہ آور سے چھڑانا تمام مسلمانوں پر واجب ہے، انگلینڈ نے فلسطین پر قبضہ کیا ہے، انبیاء کے گہوارہ اور اسلام کی سرزمین ہونے کے ناتے فلسطین ہر مسلمان کا وطن ہے، غاصبوں کے ہاتھوں اس کو آزاد کرانا تمام مسلمانوں پر واجب ہے جیسے ان پر اس کے علاوہ دیگر غصب شدہ اسلامی زمینوں کو آزاد کرنا واجب ہے۔ اسلامی وفود کو انگریزوں کے مکر وفریب اور بغیر کسی کمی کے عربوں کے کامل حقوق کی یاد دلانی چاہئے۔ اس کے بعد ہم کو انگریزوں سے ان اسلامی علاقوں کا حساب لینا چاہئے جن پر وہ ناحق قبضہ جمائے ہوئے ہیں اور جن کو چھڑانا اور آزاد کرنا ہم پر اور تمام مسلمانوں پر اسلامی فرض کرتا ہے۔

سیاسی عمل میں حدود مصر سے تجاوز کر کے امام البنا نے خاص طور سے مسئلہ فلسطین کی طرف توجہ کی اور فلسطین کی مدد کے لئے پہلی کانفرنس کا اعلان کیا، جس کے انعقاد کے لئے قاہرہ میں اخوان المسلمین کے مرکز کا انتخاب کیا، ان کی دعوت پر تمام عرب ممالک کے رہنما جماعت کے مہمان بنے، کانفرنس کے آخر میں امام حسن البنا نے خطاب کیا، پھر قراردادیں منظور ہوئیں جن میں فلسطین کو انگریز- یہودی سازش سے بچانے کے لئے عرب حکومتوں سے مداخلت کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس طرح کی کانفرنسوں سے اخوان کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کو مسئلہ فلسطین کے مبنی برحق ہونے کا علم ہو اور انگریزوں کے ظلم کا اندازہ ہو جو یہودیوں سے مل کر حقائق کو جھٹلا رہے ہیں۔ پھر ۴؍دسمبر ۱۹۴۷ء کو امام حسن البناء نے ایک مظاہرے کا اعلان کیا جس میں نصف ملین (۵ لاکھ) مظاہرین نے (جن میں طلباء، مزدور، وکلاء وانجینئر وغیرہ شامل تھے) حصہ لیا، یہ مظاہرہ جامع الازہر سے روانہ ہوکر قاہرہ کی اہم سڑکوں سے گزرا، اس میں امام البنا نے فرمایا: یہ نوجوان یہاں تفریح اور ہنسی مذاق کے لئے جمع نہیں ہوئے ہیں، یہ حق کے علمبردار ہیں، انہوں نے عہد کر رکھا ہے کہ وہ اللہ اور وطن کے لئے اپنی جانیں نچھاور کردیں گے۔ اگر ہتھیاروں کی کمی ہوئی تو ہم دشمن سے اسلحہ چھین کر پوری کریں گے، ان کو یقین کامل تھا کہ حقوق کی حفاظت اور غاصبین سے ان کو چھیننے کا صحیح راستہ صرف قتال وجہاد ہے۔

جب عرب عسکری تنظیمات بنیں اور انہوں نے فوجی مشقیں شروع کیں اور النجادۃ اور الفتوۃ تنظیموں کے رہنماؤں کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ اس اختلاف سے بڑے خطرے کے بھڑکنے کا اندازہ اخوان المسلمین کو ہوا تو انہوں متضاد نقطہائے نظر میں اتفاق پیدا کرنے کی کوششیں کیں، جن کے نتیجہ میں وکیل (نصیحر) اخوان الصاغ (لیفٹیننٹ) محمود لبیب کو ان تنظیموں کا ناظم چنا گیا، مگر ابھی ان کو اپنا پروگرام نافذ کئے تھوڑا وقت ہی گزرا تھا کہ برطانوی حکومت نے خطرے کی بو سونگھ لی، اور مصری حکومت کو اخوان کے نوجوانوں اور داعیوں کے تعاقب کی راہ سجھائی اور الصاغ محمود لبیب کے لئے ملک چھوڑ دینے کے احکام صادر ہوئے۔

پھر جب جنگ کی صورت محسوس ہوئی تو مفتی فلسطین اور صدر الہیئۃ العربیۃ العلیاء (عرب اعلیٰ کونسل) السید امین الحسینی نے امام حسین البنا سے ملاقات کر کے مشورہ کیا۔ دوسری طرف مرشد عام کے عوامی بیداری وتیاری اور مقدس جہاد کے اعلان سے انگریزوں کے کان کھڑے ہوئے۔ ان تمام حالات واسباب نے برطانیہ اور اس کے سامراجی رفقاء: فرانس وامریکہ کو نقراشی حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے مجبور کیا کہ اخوان کو تحلیل کر کے ان پر عرصہ زندگی تنگ کردیا جائے۔ نقراشی نے بلاچوں وچرا مجاہد جماعت اخوان کو تحلیل اور اس کی قیادت کو گرفتار کر کے اس کے ارکان سمیت جیلوں میں ٹھونس دیا، پھر اس کے جانشین نے امام حسن البنا کے قتل کی سازش سے اپنے خیال میں مسئلہ فلسطین کا قصہ پاک کردیا۔ (لیکن عزت وآبرو اور غیرت وحمیت کا یہ مقدس دینی مسئلہ ناحق خونوں سے ختم ہونے والا نہیں ہے جیسا کہ ساٹھ سالہ تاریخ سے ثابت ہوچکا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا تا آنکہ اہل حق کو ان کا پورا پورا حق ملے، زمین اس کے مالکوں کے پاس واپس آئے اور دین حق کا کلمہ بلند ہو۔ مترجم) اس عظیم شہادت سے جہاں شہید امام کا موقف اللہ کے نزدیک درج ہوگیا وہیں ان کی اپنی جماعت کی مجاہدانہ تربیت کی بدولت دشمنوں کی ذلت ناک شکست کا کارواں بھی چل پڑا۔ اس لئے کہ امام شہید نے اخوانیوں کے لئے جنت اور اس کی نعمتوں کو محبوب بنادیا تھا اور ان میں اللہ کی راہ میں جہاد اور سرفروشی کی روح پھونک دی تھی۔ اسی زمانے کا ایک روح پرور واقعہ ہے: امام حسن البناء سرزمین فلسطین میں کسی معرکہ کی جگہ کا معائنہ کر رہے تھے کہ ایک چھوٹے بچے پر نظر پڑی، وہ ہاتھ میں بندوق اٹھائے ہوئے تھا، چہرہ سے جہاد اور پختہ کاری کی روح عیاں تھی، امام حسن البنا نے اس سے پوچھا: اے بچے! تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا، قیس، امام نے مذاق میں اس کو چھیڑتے ہوئے کہا: اور تمہاری لیلیٰ کہاں ہے؟ اس نے برجستہ کہا: میری لیلیٰ جنت میں ہے! ظاہر ہے امام اوران کے ساتھ جو لوگ تھے اس جواب سے بہت محظوظ ہوئے اور اس بچے کے لئے خیر وبرکت کی دعا کی۔

پھر جب عرب حکام نے صلح قبول کرلی جو درحقیقت مجاہدین سے ہتھیار رکھوانے کا فریب تھا تاکہ یہودیوں کو سانس لینے اور از سر نو تیاری اور فلسطین کے بڑے حصے کو ہڑپنے کا موقع ملے، اس وقت مجاہدین پر ارض مقدس تنگ کردی گئی تھی اور ان کے اہل وطن مجاہدین کو امدادی جماعتوں کو ان سے ملنے سے روک دیا گیا تھا، اس وقت امام شہید نے مصری وزیر اعظم کے نام خط میں لکھا: ''آپ فلسطین میں یہودیوں کے ساتھ صلح کیوں قبول کر رہے ہیں؟ فلسطین میں جنگ ان صہیونی ٹولوں کے ساتھ ہے جو باہر سے آئے ہیں، ہم ان کی طرح اسلامی گروہ ہیں، آپ ان جتھوں کو آپس میں ٹکرانے دیجئے۔ اگر ہم غالب ہوئے تو یہ مصر کے لئے عزت وسربلندی کی بات ہوگی، اور اگر ہم مرگئے تو اس جنت میں داخل ہوں گے جس کے شوق میں ہم فلسطین گئے ہیں۔ ہم کو فلسطین میں صہیونیت سے لڑنے مرنے دیجئے، بین الاقوامی دباؤ کے تحت آپ کو حسب دلخواہ صلح قبول کرنے کا حق ہے، لیکن آپ کو حق نہیں ہے کہ عرب یا مسلم گروہوں کو صہیونیوں سے الجھنے سے منع کریں!''

(ہفت روزہ الامان، بیروت)

بقیہ: سرکاری سرپرستی میں اقلیت مخالف دہشت گردی

کرنے سے بھی روکتے ہیں۔ حالت یہ ہوگئی ہے کہ اگر مختلف مذاہب کے لڑکوں لڑکیوں کو بس میں ساتھ بیٹھتے یا بات کرتے بسوں کے ڈرائیور یا کنڈکٹر بھی دیکھ لیتے ہیں تو وہ بھی چپکے سے ہندوتوادیوں کو خبر کردیتے ہیں اور وہ موقع پر پہنچ کر اسٹوڈنٹ کو ڈانٹتے ڈپٹتے، دھمکیاں اور گالیاں بھی دیتے ہیں اور کبھی مار پیٹ تک کر ڈالتے ہیں۔ خود پولیس ریکارڈ کے مطابق گزشتہ سال جولائی کے تیسرے ہفتے اور ستمبر کے شروع میں اس طرح کے کم از کم دس کیس ہوئے۔ جن میں ہندوتوادیوں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے زدوکوب کیا کہ یہ دوسرے دھرم و مذہب کے پیروکاروں کے ساتھ میل جول رکھ کر ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ بجرنگ دل کے ضلع لیڈر سدرشن موودابلاری کا کہنا ہے کہ ان کے گروپ نے ابتدائی دو مہینوں میں ایسے دو سو کیس حل کئے۔ اس کے لئے کبھی کبھی طاقت کا بھی استعمال کرنا پڑا۔ لڑکیاں تو ایک بار سرعام ذلیل ورسوا کرنے اور کھینچ تان پر خود کو سدھار لیتی ہیں لیکن لڑکوں کو کنٹرول کرنا مشکل ہوتا ہے۔

ہندوتوادی طاقتیں یہ دہشت گردی اپنی عددی اکثریت کی بنیاد پر دکھاتی ہیں کیونکہ وہ لوگ جانتے ہیں کہ اقلیتی طبقات ان کی طاقت اور تعداد کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ چنانچہ وہ اپنی دہشت گردی کا مظاہرہ اقلیتی طبقات کے افراد کے خلاف ہی کرتے ہیں۔ چتور تعلقہ میں انہوں نے ایک مسلم لڑکی کے گھر پر دھاوا بولا کیونکہ اس کا ہندو دوست اس کے گھر آتا جاتا تھا جبکہ ۲۴؍جنوری کو شراب خانے پر حملے کے بعد ۶؍فروری کو کیرالہ کے ایک سیاسی لیڈر کی بیٹی اور اس کے مسلم دوست پر حملہ کیا گیا۔ ملکی تعلقہ کی چودہ سالہ اسکول طالبہ نے اس لئے خودکشی کرلی کہ وہ ایک مسلم بس کنڈکٹر کے ساتھ دوستی کے ''جرم'' پر عوامی سطح پر ذلت ورسوائی کو برداشت نہیں کرپائی۔ ان دہشت گردیوں کے خلاف پولیس نے کوئی کارروائی نہیں کی کیونکہ منگلور ضلع پولیس سپرنٹنڈنٹ نے ایک ٹی وی چینل پر وضاحت کی کہ ''اگر غنڈہ عناصر کو گرفتار کیا جاتا تو فرقہ وارانہ فساد ہوسکتا تھا''۔ (دی ہندو ۱۶؍مارچ) منگلور سے سو کلو میٹر کے فاصلے پر واقع پانچا گاؤں میں اکھل بھارتیہ ودیارتھی پریشد کی لوکل یونٹ نے مسلم لڑکیوں پر لوکل گورنمنٹ کالج میں برقع استعمال کرنے پر پابندی لگادی۔ ان حالات میں ہندوتوادیوں کے تشدد کا شکار ہونے والوں کو ضلع پولیس اور خود کو سیکولر کہنے والی طاقتوں میں سے کسی پر بھی اعتماد وبھروسہ نہیں رہا ہے۔ خاص طور سے جبکہ پولیس کا حال یہ ہے کہ منگلور کے چترا پبلی کیشن گروپ کے چیئرمین بی وی سیتارام کو اپنے مقامی شام نامہ کراولی آلے میں حکومت مخالف رپورٹ شائع کرنے کی زبردست قیمت چکانی پڑی۔ اخبار کے دفتر میں غنڈہ گردی کی گئی۔ اس کی تقسیم میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں۔ ہاکروں پر حملے کئے گئے۔ اخبار کے بنڈل پھاڑ ڈالے گئے۔ پولیس نے غنڈوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جبکہ مذہبی نفرت پھیلانے کے الزام میں ان کے خلاف آٹھ رپورٹیں لکھ کر کارروائی کردی گئی۔ انہیں ۳؍جنوری کو گرفتار کرکے اڑپی سیشن کورٹ میں ہتھکڑیاں لگا کر پیش کیا، انہیں ہائی کورٹ کی مداخلت پر ہی رہا کیا گیا۔

●●

دہلی دھماکے کے ملزمین پر مکوکا

نئی دہلی- عدالت نے دہلی سیریل بلاسٹ کے ملزمین آصف بشیر شیخ، سلمان قادر شیخ اور منصور اصغر پیر بھائی کو ممبئی بھیجے جانے کی ہدایت دی ہے۔ کورٹ نے یہ ہدایت ملزمین اور دہلی پولیس کی جانب سے دائر عرضی پر دیا ہے۔ عرضی میں ملزم نے ۲۵ مارچ کو ہونے والے امتحان کا حوالہ دیا تھا۔ وہیں دہلی پولیس نے عدالت کو بتایا کہ ملزمین کے خلاف ممبئی میں مکوکا کے تحت مقدمہ چلایا جانا ہے۔ ساتھ ہی کہا کہ وہ کی عدالت کا حکم ہے کہ پوچھ گچھ پوری ہونے پر ملزمین کو ممبئی بھیج دیا جائے۔ ان ملزمین پر دہلی، احمد آباد بم دھماکے کے بعد اور اس سے پہلے میڈیا ہاؤس کو انڈین مجاہدین کی طرف سے دھمکی بھری ای میل بھیجنے کا الزام ہے۔ تیس ہزاری میں واقع سول جج کاویری باویجا نے تہاڑ جیل انتظامیہ کو ہدایت دی کہ ملزم بشیر شیخ، پیر بھائی اور قادر شیخ کو ۲۴؍مارچ تک ممبئی جیل پہنچایا جائے۔ ۱۶؍مارچ کو ہی عدالت نے ان ملزمین کو عدالتی حراست کے تحت جیل بھیجا تھا۔

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی، عمیر کوثر ندوی، اشرف علی بستوی

خصوصی ایکم — سنہری موقع

میلاد النبی کے مبارک موقع پر

برادرانِ وطن کو سیرتؐ پر کتابوں کا تحفہ پیش کریں

	نام کتاب	نام مصنف	ڈیلکس ایڈیشن	دعوتی ایڈیشن
☆	پیارے نبیؐ کی پاک زندگی (اردو، ہندی)	اعجاز الحق قدوسی	25.00	....
☆	प्यारे नबी (सल्ल.) की पाक ज़िन्दगी (हिन्दी)	اعجاز الحق قدوسی	35.00	7.00 net
☆	محمدؐ اسلام کے پیغمبر (ہندی، انگریزی) मुहम्मद (स.) इस्लाम के पैग़म्बर	پروفیسر راما کرشنا راؤ	15.00	4.00 net
☆	Muhammad: Prophet of Islam	Prof. K. S. Rama Rao	15.00	4.00 net
☆	مانوتا کا آدرش (ہندی) मानवता का आदर्श	ثناء اللہ	3.00	....
☆	مانوتا اپکارک حضرت محمدؐ (ہندی) मानवता उपकारक हज़रत मुहम्मद (सल्ल.)	امام الدین رام نگری	12.00	....
☆	حضرت محمدؐ سب کے لیے (ہندی) हज़रत मुहम्मद (सल्ल.) सबके लिए	ڈاکٹر محمد احمد	40.00	....
☆	مثالی رہنما حضرت محمدؐ (ہندی) मिसाली रहनुमा हज़रत मुहम्मद (स.)	عنایت اللہ سبحانی	10.00	....
☆	میلاد النبی (ہندی) मीलादुन्नबी	سید ابوالاعلیٰ مودودی	3.00	....
☆	حضرت محمدؐ آدرش وشو نایک (ہندی) हज़रत मुहम्मद (सल्ल.) आदर्श विश्व नायक	سید حامد علی	12.00	....
☆	آخری پیغمبرؐ (ہندی) आख़िरी पैग़म्बर (सल्ल.)	سید محمد اقبال	5.00	....
☆	حضرت محمدؐ اور ہندوستانی مذہبی کتابیں (اردو، ہندی، انگریزی)	ڈاکٹر ایم۔ اے۔ شریواستو	15.00	....
☆	हज़रत मुहम्मद (सल्ल.) और भारतीय धर्म ग्रन्थ (हिन्दी)	ڈاکٹر ایم۔ اے۔ شریواستو	15.00	4.00 net
☆	Hazrat Muhammad & Bhartiya Dharma Grantha	ڈاکٹر ایم۔ اے۔ شریواستو	20.00	....
☆	حضرت محمدؐ ہی کیوں؟ (ہندی) हज़रत मुहम्मद (स.) ही क्यों?	مولانا سید سلمان ندوی	75.00	....
☆	حضرت محمدؐ کھنڈ کاویہ (ہندی) हज़रत मुहम्मद (स.) खंडकाव्य	ڈاکٹر رام پرساد مشرا	50.00	....
☆	مہاکاویہ: حضرت محمدؐ (ہندی) महाकाव्य : हज़रत मुहम्मद (स.)	شگن چند مکلیش	75.00	....

نوٹ: دعوتی ایڈیشن کا آرڈر 100 کاپی سے کم کی تعداد میں ارسال نہ کیا جاسکے گا۔ ڈاک یا ٹرانسپورٹ خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

مدھر سندیش سنگم

E-20، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025
فون نمبر: 011-26953327, 09212567559
ای میل: madhursandeshsangam@yahoo.co.in

کیا آپ گھریلو انڈسٹری لگانا چاہتے ہیں؟

اُردو میں جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ کتابوں کا مطالعہ کرکے
اپنی بیکاری دور کریں اور اپنی زندگی میں بہار لائیں

- سوپ وڈیٹرجنٹ انڈسٹریز (Rs.75/-)
- فوڈ پروسیسنگ انڈسٹریز (Rs.75/-)
- ربر وپلاسٹک انڈسٹریز (Rs.95/-)
- کاسمیٹکس انڈسٹریز (Rs.75/-)
- خواتین وروزگار نمبر (Rs.40/-)
- مرغی پالن گائیڈ بک (Rs.25/-)
- کامیاب کاروباری نمبر (Rs.20/-)
- صنعت وتجارت سلور جبلی نمبر (Rs.40/-)
- اسپورٹس گڈس نمبر (Rs.15/-)
- بکری پالن گائیڈ بک (Rs.25/-)
- چھوٹے پیمانے کی منافع بخش انڈسٹریز حصہ اول (Rs.90/-) حصہ دوم (Rs.90/-)

تمام کتابیں ایک ساتھ منگوانے پر چھ مہینے تک ماہنامہ رہبر صنعت وتجارت مفت پایئے

RAHBAR-E-SANAT-O-TEJARAT
24-C, BRIGHT STREET, KOLKATA-700017
PH.: 033-22806152, MOB.: 09331001824

حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس
سپر ٹینری لمیٹڈ

● برنشڈ بف کاف ● فیشن ایبل لیدرز ● اَپَل پل اپ ● انڈسٹریل سیفٹی بوٹ لیدرز ● نو بک ● واٹر پروف لیدرز ● گارمنٹ نپا ● شو اینڈ بوٹ اپرز

SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170, JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137,2465362,2462138,2461079
Fax:+91-512-2460792,2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

قادری دواخانہ کی کامیاب ترین یونانی دوائیں

DIAL
033-2469-3173
033-2489-3539

گھٹیا کے درد میں؟

کسی بھی قسم کے درد، چوٹ، موچ، گھٹیا۔ جلنے کٹنے اور بچوں کی مالش میں بہت ہی مفید ہے۔

زعفرانی تیل®

گیسٹک کے درد میں

قبض ٹروجن

بدہضمی، بھوک کی کمی، دردِ جگر، قبض، سینے کی جلن اور پیٹ کے جملہ امراض میں بہت ہی مفید ہے

Qadri Dawakhana
B-18, NAWAB WAJID ALI SHAH ROAD, KOLKATA - 24,
DISTRIBUTORS:
DARYA BADI DAWAKHANA 393, E. R. Road, Pydhonie, Mumbai - 400 003 Ph: 022-2341-1957,
RELAX ENTERPRISES 3416, Bahishti Wada, No.1, Dhule, - 424 001 Ph: 02562-236952

تحقیقاتِ اسلامی کے فقہی مباحث

عہد حاضر کے نامور عالم دین مولانا سید جلال الدین عمری کے قلم سے

اسلامی شریعت میں اجتہاد کی حیثیت، اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں اجتہاد وقیاس پر عمل، ہندوستان کی شرعی وقانونی حیثیت، دارالاسلام ودارالحرب کی تعریف، موجودہ عالمی پس منظر میں ان سے تعلق کی نوعیت اور احکام، اسلامی ریاست میں غیر مسلموں پر اسلامی قانون کا نفاذ، غیر مسلموں سے ازدواجی تعلقات، قصاص کے معنی ومفہوم، اسلام کے قانون قصاص، قتل اور قاتل کی نوعیتیں اور قذف ولعان کے احکام پر خالص عالمانہ مگر زبان وبیان اور طرز واسلوب کے لحاظ سے نہایت آسان، عام فہم اور دل نشیں گفتگو ۔۔۔۔۔۔

اپنے موضوع پر ایک اہم اور موضوع سے متعلق دوسری کتابوں سے بے نیاز کردینے والی کتاب۔

واضح رہے کہ یہ کتاب مولانا عمری کے ان مقالات پر مشتمل ہے، جو حسب موقع وضرورت ان کی ادارت میں شائع ہونے والے موقر مجلہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

سائز: ۲۰×۳۰/۱۶ ● صفحات: ۱۸۴ ● قیمت: Rs.100/-

نوٹ: مکتبے میں اسٹاک چیکنگ کی وجہ سے ۲۱ تا ۳۱؍مارچ ۲۰۰۹ء تک آرڈر کی تعمیل نہیں ہوسکے گی۔

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652, 26946447(D) Fax : 26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com. Website: www. mmipublishers.net